“MAHAMARI KA TANQEEDI JAIZA”

DISSERTATION

A dissertation submitted to the University of Hyderabad in partial fulfilment of the requirement for the award of degree of

MASTER OF PHILOSOPHY

Submitted By

NASREEN SIDDIQUA

Under the Supervision of

PROF MUZAFFAR ALI SHAH MIRI

Department of Urdu

School of Humanities

University of Hyderabad

Hyderabad-500046

DECLARATION

I, **NASREEN SIDDIQUA** hereby declare that this thesis entitle **"MAHAMARI KA TANQEEDI JAIZA''** submitted by me under the guidance and supervision of **PROF MUZAFFAR ALI SHAH MIRI** is a bonafide research work which is also free from plagiarism. I also declare that it has not been submitted previously in part or full to this University or any other University or Institution for the award of any degree or diploma. I hereby agree that my thesis can be deposited in Shodhganga/INFLIBNET.

Date: **Name: NASREEN SIDDIQUA**

Signature of the Student:

Reg.No: 14HUHL13

Signature of the Supervisor

Countersignature

CERTIFICATE

This is to certify that the Dissertation entitled **"MAHAMARI KA TANQEEDI JAIZA** submitted by **Ms NASREEN SIDDIQUA** bearing registration number **14HUHL13** in partial fulfilment of the requirement for the award of degree of **Master of Philosophy** in **Urdu** is a bonafide work carried out by her under my supervision and guidance.

This dissertation has not been submitted previously in part or full to this University or any other University or Institution for the award of any degree or diploma.

Signature of the Student

Signature of the Supervisor

Countersignature

Head of the Department

Dean
School of Humanities

''مہاماری'' کا تنقیدی جائزہ

مقالہ برائے ایم فل (اردو)

مقالہ نگار

نسرین صدیقہ

نگراں

پروفیسر مظفر علی شہ میری

شعبۂ اردو، اسکول آف ہیومانٹیز

یونیورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد 500046

فہرست

پیش لفظ: 3

باب اول: 7

شموئل احمد کی سوانح و شخصیت

باب دوم: 26

شموئل احمد کی ادبی خدمات کا اجمالی جائزہ

باب سوم: 54

''مہاماری'' کا تنقیدی جائزہ

ماحصل: 98

کتابیات: 102

پیش لفظ

پیش لفظ

سب سے پہلے میں اللہ ربّ العزت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ بجالاتی ہوں جن کے فضل و کرم سے میرا مقالہ تکمیل کو پہنچا۔

ہمیں ایم۔فل کے پہلے سمیسٹر میں طریقِ تحقیق، عملی تنقید اور متنی تنقید پڑھنے کا موقع ملتا ہے اور دوسرے سمیسٹر میں کسی ایک موضوع پر تحقیق کرتے ہوئے مقالہ لکھنا ہوتا ہے۔ میں نے موضوع کا انتخاب پروفیسر محمد انورالدین کی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کیا۔ انھوں نے ہماری کلاس میں کہا تھا کہ ایم۔فل کے لیے مختصر موضوع کا انتخاب کرنا چاہیے۔ طویل موضوع ایم۔فل کے لیے موزوں نہیں جو دردسر کا باعث ہوتا ہے۔ اسی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں ناول ''مہاماری'' کا انتخاب کیا کیوں کہ میری دلچسپی فکشن سے ہے۔ میں نے اس موضوع کے تعلق سے پروفیسر مظفر علی شہ میری سے کہا تو انھوں نے مجھے اس پر کام کرنے کی اجازت دی۔ اس طرح میرے تحقیقی مقالے کا موضوع ناول ''مہاماری'' کا تنقیدی جائزہ'' قرار پایا۔

میں نے اپنے مقالے کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا باب ''شموئل احمد کی سوانح و شخصیت'' ہے۔ جس میں شموئل احمد کے آبا و اجداد، پیدائش، بچپن، والدین، بھائی بہن، تعلیم و تربیت، ملازمت، شادی، اولاد اور شخصیت وغیرہ کو پیش کرنے کی سعی کی ہے۔

دوسرا باب ''شموئل احمد کے ادبی خدمات کا اجمالی جائزہ'' ہے جس میں شموئل احمد کے افسانوں، تراجم وغیرہ کو مختصر طور پر پیش کیا گیا ہے۔

تیسرا باب ''مہاماری کا تنقیدی جائزہ'' ہے۔جس میں موضوع، پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری، اسلوب و زبان و بیان، زماں و مکاں اور نظریہ حیات پر تنقیدی جائزہ پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔آخر میں مقالہ کا ماحصل کو پیش کیا گیا ہے۔

میں اپنے نگراں کار استاد محترم مظفر علی شہ میری کا دل کی عمیق گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتی ہوں جن کی رہنمائی میں میں نے اپنا مقالہ مکمل کیا۔میں ان کی ممنون و مشکور ہوں۔

ان کے علاوہ میں شعبہ کے دیگر اساتذہ میں سابق صدر شعبہ اردو پروفیسر انورالدین، پروفیسر بیگ احساس، پروفیسر رضوانہ معین، ڈاکٹر حبیب نثار، ڈاکٹر میر محبوب حسین، ڈاکٹر عرشیہ جبین، ڈاکٹر اے۔آر منظر، ڈاکٹر کاشف، ڈاکٹر نشاط احمد اور ڈاکٹر زاہدالحق کی شکر گزار ہوں۔

میں اپنے جونیئر کالج کے استاد محترم سید ناصرالدین صاحب کا بھی دل کی عمیق گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔جنھوں نے میرا داخلہ یہاں کروایا۔وہ ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔میری کامیابی پر خوش ہوتے ہیں۔ان کے علاوہ میری استانی محترمہ ذکریٰ صاحبہ اور استاد محترم یوسف صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں۔

میرے تحقیقی مقالے کے ناول نگار شموئل احمد کا بھی تہہ دل سے شکر ادا کرتی ہوں جن کی وجہ سے مجھے ایک اچھے ناول پر کام کرنے کا موقع ملا۔مواد بھیج کر میرے مقالے کی تکمیل میں مدد کی۔ان کے علاوہ جناب غالب نشتر رانچی صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں۔جنھوں نے مقالے کے تئیں میرے شکوک کو دور کیا۔میں اپنے والد محترم جناب عبدالحلیم صاحب اور والدہ محترمہ عبیدہ خاتون صاحبہ کا بھی دل کی عمیق گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔جنھوں نے انتہائی مشکل حالات میں بھی

مجھے تعلیم سے آراستہ کیا۔ مجھے ہر موڑ پر سہارا دیا۔ میری حوصلہ افزائی کی اور میری کامیابی کے لیے دعائیں مانگتے رہے۔ ان کے علاوہ میرے عزیز بھائی حافظ ارشد حبیب کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ اکثر گھروں میں یہ ہوتا ہے کہ لڑکیاں گھر میں رہ کر والدین کی خدمت کرتی ہیں اور لڑکے حصول تعلیم کی غرض سے باہر جاتے ہیں، میرے یہاں کچھ الٹا ہی ہوا، میں حصول تعلیم کی غرض سے گھر سے باہر آئی اور میرا بھائی والدین کی خدمت میں لگا رہا۔ اس نے کبھی والدین کی خدمت میں کوتاہی نہیں کی۔ اس کا ساتھ نہ ہوتا تو میں یہاں تک نہ پہنچ پاتی۔ اے اللہ میرے بھائی کو تو اپنی تمام رحمتوں، برکتوں اور نعمتوں سے نواز دے اور تمام امت کو بھی (ثمہ آمین) اور میں اپنی عزیز بہنوں عائیشہ، انور فرحین اور بہنوئی عقیل صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں۔ جن کی محبتوں نے مجھے مسرتوں سے مالا مال کیا۔

میرے دوست عمر فاروق، ادریس بھائی، ارشاد بھائی، نور عالم بھائی، مجیب بھائی، فوزیہ، شہباز، مہتاب، امجد، عطیہ، بی بی عائشہ، شاکرہ، آشا، نازیہ، رسینہ، زنیرہ، یاسمین، تحسین، نسرین، للوا، رفاقت، امجد، ذاکر، نوراللہ، ربانی، کریم، کفایت کے ساتھ آفس اسٹاپ کشور کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں اور ان تمام کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنھوں نے میرے لیے دعائیں مانگیں۔

باب اول

شموئل احمد کی سوانح و شخصیت

سوانح حیات

دور حاضر کے اردو فکشن نگار شموئل احمد 4/ مئی 1943 بروز جمعہ بھاگل پور میں پیدا ہوئے۔ شموئل احمد کے آباواجداد ترین قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔شموئل احمد رقم طراز ہیں؛

''میرے آباواجداد خوابداد علی خاں افغان سے ہجرت کر کے بھاگل پور کے بھیکن پور محلے میں آ بسے تھے، ہمارا قبیلہ ترین قبیلہ ہے۔ یہاں ترینوں کے مکان پہلو بہ پہلو سجائے نظر آتے ہیں۔ سب کے آنگن میں ایک دروازہ ہے جو دوسرے آنگن میں کھلتا ہے۔'' 1؎

دوسرا اقتباس ملاحظہ فرمائیں؛

''میں ذات کا پٹھان ہوں لیکن ذات پر یقین نہیں رکھتا۔ میں اپنے نام میں خان کا لقب بھی نہیں لگاتا، لیکن میرے والد کو اپنے ترین قبیلے سے ہونے کا بہت گمان تھا وہ فخریہ کہا کرتے تھے کہ پاکستان کے ایوب خان بھی ترین قبیلے سے ہیں۔ ہمارے پاس خاندانی شجرہ بھی ہوا کرتا تھا۔ جو میرے چچا زاد بھائی پاکستان لے کر چلے گئے اور وہاں فوج میں بھرتی ہو گئے۔ گو ہر ایوب بھی سن آف سوائل کا نعرہ دیا تھا کہ فوج میں وہی لیے جائیں گے جو پاکستان میں پیدا ہوئے تو یہ شجرہ ان کے بہت کام آیا تھا۔'' 2؎

شموئل احمد کے والد محترم جمیل احمد خاں ہیں جو مجسٹریٹ تھے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے

کے بعد بھاگل پور میں وکالت کی۔شموئل احمد اپنے والد کے متعلق رقم طراز ہیں؛

''والد نیک دل انسان تھے۔ایک ایماندار مجسٹریٹ وہ لمحہ موجود میں جیتے تھے۔انہیں کل فکر کبھی نہیں ہوئی۔زندگی میں کبھی جانا نہیں کہ بینک میں اکاؤنٹ کیسے کھولتے ہیں ان کی تنخواہ سات تاریخ تک ختم ہوجاتی تھی۔باقی دن پرزے سے کام چلتا تھا۔ مہینے کے آخر میں پرزوں کا حساب ہوتا۔؛لیکن کوئی کام کبھی رکا نہیں۔میرے بھائیوں نے اسی عالم میں پڑھائی کی اور اچھا مقام حاصل کیا۔والد درویش صفت آدمی تھے۔مجھے لگتا ہے شیطان ان سے دور رہتا ہوگا۔اس لیے گھر میں امن اور پیار ومحبت کی فضا ہمیشہ قائم رہی۔''3

شموئل احمد کی والدہ محترمہ رضیہ خانم صاحبہ گھریلو خاتون تھیں۔شموئل احمد رقم طراز ہیں؛

''اماں بہت ہنس مکھ تھیں۔انہیں کبھی غصہ کرتے نہیں دیکھا۔ گھر بھران پہ فدا تھا۔والد جب ان کے لیے نئی ساری لاتے تو وہ شرماتیں اور خوش ہوتیں۔ہم بھائی بہن دوڑ کر پہنچ جاتے اور ساری چھوکر دیکھتے۔ہم ضد کرتے کہ اماں ساری اسی وقت پہنو والد بات کو پکڑ لیتے اور زور دو کر کہتے کہ جب بچے کہہ رہے ہیں تو پہن لو۔تب مجھے لگتا کہ وہ خود بھی یہی چاہ رہے ہیں،اماں خوش

ہوتیں ہمیں دور بھگاتیں اور ساری بکس میں رکھ دیتیں۔'' 4

شموئل احمد کے اس بیان سے ان کی والدہ کی صفات کے ساتھ ان کے اپنے بھائیوں کے ساتھ شرارت اور والدہ کے تئیں والد کی محبت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ نیز شموئل احمد کے گھر کی خوش حالی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

جمیل احمد خان صاحب کی سات (7) اولادیں ہیں۔ان میں چھ (6) لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ان کی اولاد میں تفضیل احمد خان، شرجیل احمد خان، تمثیل احمد خان، زکیہ خانم (بیٹی) عقیل احمد خان، ترسیل احمد خاں اور سب سے چھوٹے شموئل احمد خاں ہیں۔

شموئل احمد خاں کے بڑے بھائی فضیل احمد خاں وکیل تھے۔ بنگلہ دیش گھومنے گئے تھے وہیں بیمار پڑے اور وہیں انتقال کر گئے۔

شموئل احمد کے دوسرے بھائی شرجیل احمد خاں ہیں۔شموئل احمد رقم طراز ہیں؛

> ''لکھنا منجھلے بھیا شرجیل احمد خاں نے بھی شروع کیا لیکن تاخیر سے۔وہ بہت پڑھاکو ہیں۔انھوں نے کیا نہیں پڑھا ہے۔ زولوجی میں علی گڑھ سے ایم۔ایس۔سی کیا لیکن ادب اور فلسفہ بھی مطالعہ میں رہا۔ان کے آگے ہم سب اپنے کو بونا محسوس کرتے ہیں۔ریٹائرمنٹ کے بعد اردو میں لکھنا شروع کیا۔ ادب میں تراجم کے دروازے سے داخل ہوئے۔ان کی کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ڈھیر ساری انگریزی کہانیوں کا ترجمہ

کیا۔ یونانی اساطیر پر بھی ان کا کام ہے۔ اساطیر کی ایک لغت بھی
ترتیب دی ہے۔ اردو ادب میں ان کے بیش بہا اضافے کو نظر
انداز نہیں کیا جا سکتا۔''5

تمثیل احمد خاں شموئل احمد کے تیسرے بھائی ہیں۔ تمثیل احمد خاں افسانہ نگار تھے۔ دیپ بھاگل پور کے نام سے لکھتے تھے۔ ان کے افسانے جمالستان میں شائع ہوتے تھے۔ بعد میں انھوں نے اپنے نام یعنی تمثیل احمد کے نام سے لکھنے لگے۔ تمثیل احمد خاں تعلیم مکمل کرنے کے بعد پاکستان گئے۔ ان کے چھوٹے ماموں کی لڑکی سے شادی کی اور وہیں بس گئے۔ شموئل احمد لکھتے ہیں؛

''تمثیل بھیا پاکستان تو بس گئے لیکن ان کی سانسوں میں
ہندوستان کی خوشبو رچی رہیں۔ وہاں جا کر ہم لوگوں کو رات دن
یاد کرتے۔ ہر ہفتے ان کی چھٹی آتی تھی۔ اپنا رونا روتے اور ہماری
خیریت پوچھتے۔ ایک بار پاکستانی پاسپورٹ سے بھاگل پور آئے
تو حسرت سے در و دیوار کو تکتے اور کہتے تھے میں اپنے ہی گھر
میں اجنبی ہوں۔ تھانے میں رپورٹ درج کرانی پڑی کہ بھاگل
پور پہنچ گئے ہیں۔ جس سے ان کو بہت تکلیف ہوئی۔ میرے والد
کو اسی لیے پاکستان سے چڑھ تھی۔ کہتے تھے پاکستان میرے
بچوں کو نگل گیا۔ بھائی جان بیماری کے عالم میں پاکستان چلے گئے
تھے اور حادثے کا شکار ہو گئے تھے۔''6

تمثیل احمد خاں کے بعد بہن ہیں ذکیہ خانم سادہ لوح خاتون ہیں۔کبھی اونچی آواز میں بات نہیں کرتیں۔ان کے بعد چوتھے بھائی عقیل احمد خاں ہیں عقیل احمد خاں ڈاکٹر تھے ان کے متعلق شموئل احمد تحریر کرتے ہیں؛

''ڈاکٹر عقیل اپنی طرح کے انوکھے آدمی تھے مرض دور سے ہی سونگھ لیتے۔ان کے ہاتھ میں شفا تھی۔والد کی بہت تمنا تھی کہ بھاگل پور میں اپنی کلینک کھولتے لیکن انہیں انگلینڈ جانے کا شوق تھا۔یہ برمنگھم میں بس گئے اور وہیں سرجری کھولی۔''7

شموئل احمد کے پانچویں بھائی ترسیل احمد خاں ہیں۔ریلوے ڈپارٹمینٹ میں نوکری کرتے ہیں۔شموئل احمد لکھتے ہیں؛

''ترسیل مجھ سے دوسال بڑے ہیں۔ترسیل نے ہمیشہ فیملی یونیٹی پر زور دیا۔میں نے جب انجینئرنگ میں داخلہ لیا تھا تو وہ گریجوئٹ ہو چکے تھے۔انھوں نے ریلوے میں نوکری کر لی اور میری پڑھائی کا سارا خرچ سنبھالا میری کتابیں بہت سنبھال کر رکھتے تھے۔''8

ان اقتباسات سے صاف پتا چلتا ہے کہ شموئل احمد کی ذہنی تربیت پڑھے لکھے ماحول میں ہوئی۔بچپن ہی سے شموئل احمد کی تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھا گیا۔شموئل احمد سب سے چھوٹے ہیں تولاڈودلار میں ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔سدھے چھٹی جماعت میں داخلہ لیا گیا۔ہائی اسکول کا

امتحان ہری داس سیمیزری گیا سے 1950 میں امتیازی نمبروں سے پاس کیا ۔انٹر کا امتحان 1960 میں گیا کالج گیا سے پاس کیا۔شموئل احمد کا کہنا ہے کہ انھیں تعلیم سے دلچسپی نہیں تھی اس لیے انھوں نے دسویں کے بعد تعلیم روک دی لیکن میرے والد کی ضد کے آگے ہار گیا۔اسی وجہ سے ان کے ہائی اسکول انٹر کی تعلیم کے درمیان وقفہ آ گیا۔اعلی تعلیم کے حصول کے لیے جمیشد پور جھارکھنڈ کا رخ کیا اور 1968 میں آر۔آئی۔ٹی جمیشد پور سے سول انجینئرنگ میں بی۔ٹیک کی ڈگری حاصل کی۔

بچپن ہی سے شموئل احمد کو مطالعہ کا شوق تھا۔دس سال کی عمر سے ہی انھوں نے کرشن چندر، غلام عباس وغیرہ کو پڑھنا شروع کر دیا۔شموئل احمد کا بیان ہے؛

> ''تمثیل بھیا افسانہ نگار تھے اور دیپ بھاگل پوری کے نام سے لکھتے تھے ان کے افسانہ جمالستان میں شائع ہوتے تھے۔بعد میں تمثیل احمد کے نام سے لکھنے لگے۔اسی نام سے وہ شاہراہ میں بھی چھپنے لگے۔ان کی وجہ سے ہی گھر میں شاہرہ فن کار اور شاعر جیسے رسائل آتے تھے۔جنھیں میں شوق سے پڑھتا تھا۔فن کار کا ایک ایک ورق چاٹ جاتا تھا تب میں ساتویں جماعت کا طالب علم تھا۔کرشن چندر اور غلام عباس وغیرہ کو میں نے اسی زمانے میں پڑھنا شروع کر دیا۔''9

شموئل احمد کی یادداشت غضب کی ہے۔کوئی عبارت نظر سے گزرتی تو ان کے ذہن میں محفوظ رہ جاتی ہے۔گھر کے بزرگ کہانیوں پر بات کرتے تو اسے غور سے سنتے تھے اور پھر ان کی تشنگی بجھانے

کے لیے دوبارہ پڑھتے تھے۔مگر ان تمام باتوں کے باوجود شموئل احمد اپنے آپ کو اوسط درجے کا طالب علم ہی سمجھتے تھے۔نصاب کی کتابیں ان کو اپنی طرف خاص متوجہ نہیں کرتی تھیں۔

> ''اصل میں میری یادداشت غضب کی تھی۔ایک بار کچھ بھی پڑھتا مجھے کاما،فل اسٹاف تک یاد ہوجاتا۔لیکن یہ بات صرف شعروادب تک ہی تھی۔سائنس کے ساتھ بہت مغزماری کرنی پڑی۔'' 10؎

شموئل احمد ہمیشہ شعروادب اور نفسیات کے مطالعے میں لگے رہتے تھے۔نفسیات سے دلچسپی کے باعث انھوں نے طالب علمی کے زمانے ہی میں فرائڈ، ہیولاک ایلیس،ائڈلر کرافٹ ایبنگ اور یونگ کو پڑھنے کی کوشش کی۔اردو تعلیم بھی انھوں باقاعدہ طور پر حاصل نہیں کی اپنی اردو تعلیم کے متعلق شموئل احمد لکھتے ہیں؛

> ''اردو میں نے گھر پر ہی کٹر مٹر سیکھی۔یہی وجہ ہے کہ مجھ سے ابھی بھی املا کی غلطیاں ہوتی ہیں۔'' 11؎

سائنس کی تعلیم حاصل کرنا ان کی مجبوری تھی کیوں کہ والد انھیں انجینئر کے عہدے پر دیکھنا چاہتے تھے اور یہ والد کے حکم کی عدولی نہیں کرسکتے تھے۔اس کے علاوہ ان کو علم نجوم سے دلچسپی ہے۔علم نجوم کے مطالعے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

> ''علم نجوم کا مطالعہ بھی مجھے سرور بخشتا ہے۔دشت نجوم کی سیاحی میں برج کواکب سے گزرتا ہوں اور ستاروں سے ہم کلام

کرتا ہوں تو کائنات کے اسرار و رموز پر حیرت ہوتی ہے گرچہ یہ
اسرار مجھ پر نہیں کھلتے لیکن مسرت سے ہم کنار ضرور ہوا کرتے
ہیں۔انسانی زندگی پر ان کا اطلاق مجھے اور بھی حیرت میں ڈالتا
ہے۔ مجھے صاف نظر آتا ہے کہ جناب عتیق احمد کی خندہ پیشانی میں
ستارہ زہر کی کارفرمائی ہے۔''12؎

شادی اور بچے

شموئل احمد کی شادی انہی کے قبیلے سے تعلق رکھنے والی خاتون محترمہ نشاط آرا سے 1973 میں بڑے ہی شاہی انداز میں ہوئی۔

شموئل احمد کی تین اولاد ہیں جن میں ایک بیٹی اور دو بیٹے ہیں۔ بڑا بیٹا ایاز جمیل خاں ہیں جو پیشے سے پروفیسر ہیں۔انھوں نے بی۔ٹیک اور ایم۔ٹیک کی ڈگری میکانکل انجینئرنگ میں حاصل کی ہے۔ان کے دوسرے صاحبزادے کا نام بابر جمیل خاں ہیں۔انھوں نے کمرشیل پائلٹ کی ٹریننگ آسٹریلیا سے حاصل کی ہے اور .D.G.C.A نئی دہلی .C.P.L لائنس ہولڈر ہیں۔ان کی صاحبزادی سلطنت جمیل ہنر بی ہیں۔جنھوں نے الکٹرانک انجینئرنگ میں بی۔ٹیک کی ڈگری حاصل کی اور فی الحال AMIR.CHAN.CO دہلی میں Consultant ہیں۔

ملازمت

سول انجینئرنگ میں بی۔ٹیک کرنے کے بعد ان کی دلچسپی واٹر سپلائی نیٹ ورک اور واٹر ٹاور

کے ڈیزائن میں کافی حدتک بڑھی اور اسی شعبے میں 1973 کو بوکارو میں بحیثیت انجینئر ملازمت کا آغاز کیا۔بحیثیت ملازم زندگی میں کافی اتار چڑھاؤ انھوں نے دیکھے۔ملازمت کے ابتدائی دور میں انھوں نے واٹرسپلائی ڈپارٹمنٹ حکومت بہار میں بڑے ہی کارہائے نمایاں انجام دیئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد ان کو اسی شعبے کا چیف انجینئر بنا دیا گیا۔اس زمانے میں انجینئر ہونا اسٹیٹس سمبل سمجھا جاتا تھا۔بحیثیت انجینئر انھوں نے اپنی ملازمت کا فرض بہت حدتک ادا کردیا۔چیف انجینئر کے پوسٹ یا عہدے سے 31/اکتوبر 2003 میں سبکدوش ہوئے۔

شخصیت کے عناصر

کشادہ پیشانی، لمبی ناک، لمباقد، آنکھیں نہ چھوٹی نہ بڑی۔زلف رکھتے ہیں۔سر کے بال سفید کے طرف مائل ہورہے ہیں اور چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ طاری رہتی ہے۔

غذا

مٹھائی پسند کرتے ہیں، گوشت مرغوب غذا نہیں ہے، ہندوستانی کھانا پسند کرتے ہیں۔چائنیز اور فاسٹ فوڑ سے پرہیز کرتے ہیں۔

پسند ناپسند

سگریٹ نوشی اور شراب نوشی پسند کرتے ہیں۔جانوروں سے بہت لگاؤ ہے۔شموئل احمد کی پسند ناپسند کے بارے میں ان کی صاحبزادی کہتی ہیں؛

''ان کو جانوروں سے لگاؤ ہے۔ان کو بلیاں بہت پسند

ہیں۔ایک کبھی بچپن میں پالی ہوگی تو اس کے بارے میں ہمیشہ
ذکر کرتے تھے۔جانوروں سے پیار ہے نیچر سے زیادہ نزدیک۔
وہ پہاڑی ایریا پسند کرتے ہیں۔''13؎

دوست احباب

شموئل احمد کے حلقۂ احباب میں بلاتفریق ہر مذہب وملت کے افراد شامل ہیں بقول شموئل احمد؛

''میرے حلقۂ احباب میں زیادہ تر غریب اور پھکڑ قسم کے لوگ
ہیں۔ان سے کچھ نہ کچھ سیکھتا ہی رہتا ہوں۔''14؎

نصیر احمد بحیثیت دوست شموئل احمد کی دوستی کا اعتراف کرتے ہوئے ایک خط میں لکھتے ہیں؛

''یہ آپ کی محبت ہے کہ آپ سے میرے مضمون اس قابل جانا
اور اپنے ناول میں کوٹ کیا۔کسی دوسرے تخلیق کار کا اعتراف
کرنے والے کی اپنی تہذیب فن کے اعلیٰ ہونے کی دلیل ہے یہ
تہذیب فن آج کل بہت کم لوگوں میں رہ گئی۔''15؎

شوشل میڈیا کا استعمال آج ہر انسان کی اہم ضرورتوں میں شامل ہے۔شموئل احمد بھی اس شوشل میڈیا پر اپنا وقت گزارتے ہیں۔ان کے فیس بک فرینڈس کی فہرست میں چار ہزار سے زیادہ دوست ہیں جن میں زیادہ تر عورتیں ہیں۔ادبی حیثیت رکھنے والے اور ادبی حیثیت نہ رکھنے والے

دونوں ہی شامل ہیں۔شموئل احمد رقم طراز ہیں؛

''یہاں میں دگھانواب کوٹھی والے جمال سعید کا بھی ذکر کرنا چاہوں گا جو میرے دوستوں میں ہیں۔دبئ میں رہتے ہیں اور میرے فیس بک کے دوست ہیں۔میں جب اوب جاتا ہوں تو انہیں فیس بک پر ڈھونڈتا ہوں۔ان سے بے تکی باتیں ہوتی ہیں۔جن کی کوئی ادبی حیثیت نہیں ہے لیکن یہ باتیں رس دار ہوتی ہیں۔دوسی اپنا الگ مول رکھتی ہے۔''16؎

فیس بک پر جہاں ان کے دوست ہیں وہیں ان کے دشمن بھی ہیں۔ایک واقعہ کا ذکر شموئل احمد یوں کرتے ہیں؛

''شموئل احمد ایک بدچلن آدمی ہے۔میں اس کے قلیت میں اپنے دو بچوں کے ساتھ اکیلی رہتی تھی۔میرے شوہر دبئ میں رہتے ہیں۔ایک رات شموئل احمد شراب پی کر میرے کمرے میں گھس آیا اور میرا ریپ کیا۔مجھے حیرت ہے کہ ایسے بدچلن آدمی کو ایک مسلم ملک نے بلا کر انعام واکرام سے کیسے نوازا؟ میں اپیل کرتی ہوں کہ اس سے یہ ایوارڈ واپس لیا جائے۔''

دیکھتے ہی دیکھتے بہت سے کیڑے رینگنے لگے اور گندگی پھیلانے لگے۔

''یہ پاپی کون ہے؟اس کوسزا ملے گی جس نے ایک پارسا عورت کے دامن کو داغ دار کیا۔''

''مجھے اس کا پتہ بتایئے محترمہ۔میں اس کوسزا دلاؤں گا۔

''شموئل احمد کو اللہ جہنم رسید کرے گا۔''

زہر کو زہر ہی کاٹتا ہے۔میں نے جواب میں لکھا۔

''یہ محترمہ خود چل کر میرے پاس آئی تھیں اور کہنے لگیں میں نے بہت دنوں سے سیکس نہیں کیا ہے۔میں اکیلی رہتی ہوں۔میرے شوہر دبئ میں رہتے ہیں۔آپ مجھ سے دوستی کیجیے اور میری پیاس بجھایے۔میں ان سے ہم بستری ہوا۔ان کے جو دو بیٹے ہیں ان میں سے ایک میرا ہے۔آپ حضرات سے اپیل ہے کہ میرا بیٹا مجھے دلا دیں۔میں ڈی۔ان۔اے ٹیسٹ کے لیے تیار ہوں۔''

''کیڑہ ہمیشہ کے لیے اسکرین سے غائب ہوگیا۔پہلا میگزین کے لیے نرالہ میرا انٹرویو لینے آئے تو میں نے ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔نرالہ نے اسے جون 2013 کے شمارہ میں شائع کر دیا۔''17؎

شموئل احمد اپنے ایک دوست احمد کلیم فیض پوری جو ادیب ہیں شموئل احمد ان سے اپنی دوستی کے متعلق کہتے ہیں؛

''کچھ دنوں بعد معلوم ہوا کہ کلیم کو ان کے افسانوی مجموعہ کے لیے
مہاراسٹرا اردو اکاڈمی نے انعام سے نوازا ہے ۔میں نے
مبارک بادی دی اور کہا کہ انعام آپ کا اور رقم میری کہ جب
بھساول آؤں گا تو اپنے طور پر خرچ کروں گا۔میں نے یہ بات
ازراہ مذاق کہی تھی لیکن کلیم نے یہ رقم الگ کھاتے میں ڈال رکھی
ہے اور میرے بھساول آنے کا انتظار کررہے ہیں۔''18؎

شموئل احمد دوست عبدالصمد اپنے خاکہ میں ان کی شخصیت کے متعلق لکھتے ہیں؛

''شموئل احمد بلول اور بے ترتیب ہونے کا پوز دیتے ہیں لیکن
دراصل وہ ایسے ہیں نہیں ۔اب تو وہ انھیں عمر عزیز کا ایک حصہ
گزار چکے اور اب ایمانداری سے تجزیہ کیا جائے تو یہ ثابت
ہوجائے گا کہ وہ ایک کامیاب آدمی ہیں اور انھوں نے ایک
باترتیب زندگی گزاردی ہے۔''19؎

شموئل احمد ایک بار ایک زبردست حادثے کا شکار ہوئے ۔شموئل احمد کا Will Power ہی تھا کہ وہ بچ گئے ۔عبدالصمد لکھتے ہیں؛

''آپریشن ہوا اور بہت کامیاب رہا۔اگرچہ اس کی تصدیق ڈاکٹر
چوبیس گھنٹوں کے بعد ہی کی ۔ڈاکٹر ایک جملہ شموئل احمد کی
شخصیت کا بے حد جامع تجزیہ ہے ۔''یہ شخص اپنے Will

Power سے بچ گیا۔''20؎

شموئل احمد کے اعتمادی کے متعلق عبدالصمد لکھتے ہیں؛

''شموئل احمد کے اندار اعتماد کی ایک دنیا آباد ہے۔

خدا پر اعتماد.....

اپنے آپ پر اعتماد.....

اپنے حالات پر اعتماد.....

اپنے قلم پر اعتماد.....''21؎

ادبی سفر

شموئل احمد کے ادبی سفر کی شروعات زمانۂ طالب علمی میں ہوئی ''چچا کا تار'' اور ''شبِ برات کا حلوہ'' جو پٹنہ کے روزنامہ ''صدائے عام'' میں شائع ہوئی۔ جب ان کا داخلہ انٹر میں ہوا تو انھوں نے اپنا پہلا افسانہ ''چاند کا داغ'' لکھی جسے وہاب اشرفی نے ماہنامہ ''صنم'' میں شائع کیا۔

شموئل احمد دور حاضر کے معروف فکشن نگار ہیں۔اب تک انھوں نے افسانے، ناول لکھی ہیں اور ترجمے بھی کیے ہیں۔ان کی جملہ تصانیف کچھ اس طرح ہیں؛

افسانوی مجموعے

(1) بگولے 1988

(2) سنگھاردان 1996

(3) القمبوس کی گردن 2002

(4) عنکبوت 2012

ناول

(1) ندی 1995

(2) مہاماری 2003

(3) اے دلِ آوارہ 2015

(4) گرداب (غیر مطبوعہ)

ٹیلی اسکرپٹ

(1) آنگن کا پیڑ نشریات دوردرشن دہلی 08-2007

(2) کاغذی پیراہن نشریات دوردرشن دہلی 08-2007

ہندی تصانیف

21 سریسٹھ کہانیاں 2009 (افسانوی مجموعہ)

انگریزی تصانیف

(1) River (ناول) 2012

(2) The Dressing Table (افسانوی مجموعہ) 2012

دیگر تصانیف

اردو کی نفسیاتی کہانیاں 2014

پاکستان: ادب کے آئینہ میں 2015

مرگ تراشنا (افسانوی مجموعہ پنجابی میں) 2012

کشف النجوم (زیر قلم)

انعامات واعزازات

شموئل احمد کو 2012 میں عالمی فروغ اردو ادب دوحہ قطر ایوارڈ سے نوازا گیا۔اس جلسے کا صدارتی خطبہ گوپی چند نارنگ نے دیا۔اس خطبے میں شموئل احمد کے ادبی خدمات سراہے ہوئے گوپی چند نارگ کہتے ہیں؛

''شموئل احمد اردو فکشن کے موجودہ منظر نامے کا ایک اہم تخلیقی دستخط ہیں۔''22

روزمرہ کی مصروفیات

حکومتِ بہار کے شعبہ پبلک ہیلتھ انجینئرنگ میں چیف انجینئر کے عہدے سے سبکدوش ہوئے ہیں۔ان کو علم نجوم سے گہرا شغف رہا ہے۔اسی لیے انھوں نے جیوتش انوسندھان کیندر کے نام سے پٹنہ میں ایک دفتر بھی قائم کیا ہے۔جس میں پیشہ وار نجوم کی بات چیت سے صبح 9 بجے سے شام 5 بجے تک وقت دیتے ہیں اور تصنیف وتالیف میں بھی مصروف رہتے ہیں۔رات 9 بجے سے 2 بجے تک تصنیف وتالیف کا کام انجام دیتے ہیں۔اس کے علاوہ ان کی دن بھر کی مصروفیات کا ایک حصہ شوشل میڈیا کا استعمال بھی ہے۔اس طرح وہ ایک مصروف زندگی گزارتے ہیں۔

حوالہ

(1) اے دل آوارہ از شموئل احمد، ص 51

(2) براہِ راست از گلزار جاوید' مشمولہ چہارسو' شمارہ 23 جنوری تا فروری 2014، ص 12

(3) اے دل آوارہ از شموئل احمد، ص 22

(4) ایضاً، ص 22-23

(5) ایضاً، ص 59

(6) ایضاً، ص 63

(7) ایضاً، ص 63

(8) ایضاً، ص 63

(9) ایضاً، ص 59-60

(10) ایضاً، ص 62

(11) ایضاً، ص 62

(12) اس گھڑی کا انتظار از شموئل احمد' مشمولہ چہارسو' شمارہ 23 جنوری تا فروری 2014 ص 8

(13) شخصی انٹرویو، بروز پیر دوپہر 1:25 منٹ 6/4/2015

(14) سوال نامہ

(15) ابر بہار از قاری شاہ' مشمولہ چہارسو' شمارہ 3 2 جنوری تا فروری 2014 ص 6

(16) اے دل آوارہ از شموئل احمد، ص 184

(17) ایضاً، ص 173-174

(18)ایضاً،ص179

(19) خاکہ آئینہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ از عبد الصمد'مشمولہ نیاورق'جلد9 شمارہ 23 ، 2006ص119

(20)ایضاً،ص120

(21)ایضاً،ص120

(22)ایسا کہاں سے لاؤں از عطیہ سکندر'مشمولہ چہارسو'شمارہ 3 2 جنوری تا فروری 2014ص45

باب دوم

شموئل احمد کی ادبی خدمات کا

اجمالی جائزہ

شموئل احمد کا ادبی سفر طالب علمی کے زمانے میں شروع ہوگیا تھا۔شموئل احمد نے ساتویں جماعت میں دو کہانیاں ''چچا کا تار اور شبِ برات کا حلوہ'' لکھے جو روزنامہ ''صدائے عام'' میں شائع ہوئی تھیں۔ پھر انٹرمیڈیٹ میں پہلا افسانہ ''چاند کا داغ'' لکھا جسے وہاب اشرفی نے ماہنامہ ''صنم'' میں شائع کیا۔شموئل احمد کے والد نے ان کی کہانیاں ''چچا کا تار اور شبِ برات کا حلوہ'' پڑھ کر بہت خوش ہوئے تھے اور سب کو دکھاتے پھرتے تھے۔لیکن شموئل احمد کا افسانہ ''چاند کا داغ'' ان کو فکر میں مبتلا کر دیا۔شموئل احمد اس کے متعلق لکھتے ہیں؛

> ''کہانی میں ایسا کچھ نہیں تھا کہ والد کی نیند اڑ اجاتی پھر بھی ان کے اپنے ویلوز تھے جن کی میں نے نفی کی تھی۔کہانی ایک عورت کی تھی جسے بچہ نہیں ہو رہا تھا۔ایک دن بچہ پیدا ہوا تو دادی بہت خوش ہوئی۔ بیٹے کو پوتے کا منہ دکھا کر کہنے لگی کہ گھر میں چاند اتر آیا ہے۔لیکن بیٹا اداس تھا۔وہ دیکھ رہا تھا کہ بنجر زمین پر اس کے پڑوسی شوکت میاں ہل چلا رہے ہیں۔وہ ماں سے کہنا چاہتا تھا کہ گھر میں چاند نہیں چاند کا داغ اتر آیا ہے۔اس وقت مجھے حیرت ہوئی کہ میں نے ایسا کیا لکھ دیا تھا کہ اتنا ہنگامہ ہے۔لیکن اب میں والد کی پریشانی کو سمجھ سکتا ہوں۔ بات اختلاقیات کی تھی اس عمر میں اس طرح کے جملے بنجر زمین پر ہل چلا رہا ہے مخرب اخلاق تھے۔''[1]

طالب علمی کے زمانے ہی میں انھوں نے فرائڈ ،ہیولاک ،ایلس ،ائڈلر ،کرافٹ ،ایبنگ اور یونگ کو پڑھنے کی کوشش کی ۔کیوں کہ ان کو نفسیات سے دلچسپی تھی ۔ان کے علاوہ منٹو، کرشن چندر، غلام عباس کو بھی انھوں بچپن میں پڑھا اور میٹرک کے آتے آتے اردو کی بہت ساری اچھی کہانیاں بھی پڑھ لی تھیں ۔ان کا ذہن بنانے میں تمثیل بھیا کا ہاتھ ہے کہتے ہیں کہ اردو سیکھنی ہو تو املا رموزی کی گلابی اردو پڑھو۔

شموئل احمد نے اردو با قاعدہ نہیں سیکھی ۔اردو لفظوں کی ساخت پہچان لیتے تھے ۔بقول شموئل احمد؛

> ''میں نے اردو با قاعدہ نہیں سیکھی ، یہی وجہ ہے کہ مجھ سے املا کی غلطیاں ابھی بھی ہوتی ہیں ۔میں نے اردو خط پڑھ کر سیکھی ،گھر میں کوئی خط پڑھ کر سناتا تو مجھے مضمون یاد ہو جاتا تھا۔پھر میں خط اٹھا کر دیکھتا کہ ''جناب'' اس طرح لکھا ہوا ہے ''والد'' اس طرح لکھا ہوا ہے ۔اس لفظ کی ساخت میرے ذہن میں بیٹھ جاتی ۔ ایک بار پرانا پوسٹ کارڈ پڑھ رہا تھا تو والد نے دیکھ لیا ۔ان کو بہت حیرت ہوئی کہ میں نے اردو کہاں سے سیکھی ۔انھوں نے دوسرو پوسٹ کارڈ پڑھنے کو دیا۔وہ میرا سنا ہوا تھا۔فرفر پڑھ کر سنا دیا۔اب تو سب کو حیرت ہوئی کہ یہ معجزہ کیسا ہے؟ والد نے جب نئی چٹھی دی تو پورا نہیں پڑھ سکا لیکن کچھ الفاظ پہچانتا ہوں ۔

انھوں نے سمجھ گئے کہ میں لفظوں کو ان کی ساخت سے پہچانتا ہوں۔انھوں نے الگ الگ پرزوں پر کچھ الفاظ مثلاً چھپر،ٹم ٹم، گھوڑا اور مجھے بتایا کہ یہ الفاظ کیا ہیں۔پھر سے پرزوں کو مکس کر دیا اور کہا کھول کھول کر پڑھو۔میں ایک ایک پرزوں اٹھا کر کھولتا اور اترا اترا کر پڑھتا۔یہ بیٹا چھپر،یہ بیٹا ٹم ٹم،یہ بیٹا.....سب بہت خوش ہوتے اور تالیاں بجا بجا کر ہنستے۔ اماں گود میں اٹھالتیں.....میرا بیٹا ہیرا.....کسی کی نظر نہ لگے۔اور جھٹ کالا ٹیکہ لگا دیتیں۔''2

شموئل احمد عصری ادب کا ایک معتبر نام ہے۔ہم عصر ادیبوں میں اپنی منفرد سوچ، بے باکی اور اسلوب کی تازگی کی وجہ سے اپنا ایک الگ مقام رکھتے ہیں۔علوم نجوم اور جنسی پہلوؤں کا اظہار ان کی تحریروں کا خاصہ ہے۔شموئل احمد نے ناول،افسانہ، ٹیلی اسکرپٹ،شاعری میں طبع آزمائی کی ہے۔اس کے علاوہ شموئل احمد صف اول کے مترا جم بھی ہیں۔

شموئل احمد آج اردو ادب کا ایک تابندہ نام بن چکا ہے۔ان کے چار افسانوی مجموعہ'' بگولے، سنگھاردان،القمبوس کی گردن اور عنکبوت دنیائے ادب میں داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

'' بگولے''شموئل احمد کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے جو 1988 میں شائع ہوا۔اس میں کل 14 افسانے ہیں۔

(1)قصبہ کا المیہ(2)قصبے کی دوسری کہانیاں(3)مرگھٹ(4)باگمتی جب ہنستی ہے(5)سبز

رنگوں والا پیغمبر (6) آخری سیڑھی کا مسافر (7) ٹوٹی دشاؤں کا آدمی (8) وہ (9) عکس (10) ایک عکس اور (11) عکس تین (12) آدمی اور مین سوئچ (13) بگولے وغیرہ یہ تمام افسانے ماہنامہ ''تحریک'' میں شائل ہوئے۔

شموئل احمد کا افسانہ'' بگولے'' 1963 میں ''تحریک'' میں شائع ہوا۔ افسانے کا مرکزی کردار لتیکا رانی ایک ایسی خاتون ہے جسے نوجوانوں کو تلاش رہتی ہے۔ اسی تلاش میں ایک بار ایک کمسن لڑکے سے ملاقات ہوجاتی ہے۔ جس کے بارے میں اس کا اپنا خیال ہے کہ سپردگی کے مرحلے میں وہ اسے بہت سے جنسی عوامل سکھائے گی لیکن ایسا نہیں ہوتا ہے۔ یہ کمسن نوجوان لتیکا رانی کے ساتھ جو سلوک کرتا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جنسی دلچسپی لے رہا ہے اور فعال ہے۔ لتیکا رانی کے لیے گنجائش باقی نہیں ہے کہ اسے کچھ سکھا سکے۔ گویا لتیکا رانی کو پہلی بار اپنی حیثیت کا احساس ہوتا ہے۔ آوارگی کا بھی اور یہ کہ وہ ایک کمسن بچے کے سامنے بھی محض طوائف سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اس کا ردعمل اتنا سخت ہوتا ہے کہ وہ لڑکے کو نکال باہر کرتی ہے۔ یہ ٹھیس دراصل اس کی شکست کی دلیل ہے اور لتیکا رانی کے Awareness کی بھی۔ بقول شموئل احمد؛

> ''میں کہانی سوچ کر نہیں لکھتا۔ مجھے کہانی سوجھتی نہیں ہے۔ مجھے کہانی مل جاتی ہے۔ کہانی قدم قدم پر بکھری پڑی ہے۔ بس دیکھنے والی نظر چاہیے۔'' بگولے'' رانچی جانے والی بس پر ملی۔''3

17 سال کے لمبے وقفے کے بعد انھوں نے ''سنگھاردان'' لکھا جو ماہ نامہ ''مدیر'' میں

چھپی۔ بقول شموئل احمد؛

''74 تک میرے افسانے ماہنامہ ''تحریک'' میں شائع ہوتے رہے۔اس کے بعد 17 سال کا لمبا وقفہ آیا ہے جب کچھ بھی نہیں لکھا۔ میں سمجھتا ہوں اتنی لمبی خاموشی کسی ادیب کی زندگی میں نہیں آئی ہوگی ۔ 73 کے بعد میری واپسی ''سنگھاردان'' کے ساتھ ہوئی۔''4

افسانہ ''سنگھاردان'' کے متعلق شموئل احمد لکھتے ہیں؛

''کہانی ''سنگھاردان'' مجھے راحت کیمپ میں ملی ۔ بھاگل پور فساد میں طوائفوں کا بھی راحت کیمپ لگا تھا۔ وہاں ایک طوائف نے رو رو کر مجھے بتایا کہ دنگائی اس کا موروثی سنگھاردان لوٹ کر لے گئے ہیں تو ایک چیز آباواجداد کی نشانی تھی .....کہانی یہاں پر تھی موروثی سنگھاردان کا لٹنا.....اپنی وراثت سے محروم ہوجانا۔ پہلے جان و مال کے لٹنے کا خوف تھا اب وراثت سے محروم ہونے کا خدشہ تھا۔''5

دوسری جگہ شموئل احمد یوں لکھتے ہیں؛

''لڑکپن میں میں نے ایک نوٹنکی دیکھی تھی جس میں ادھیڑ عمر کی عورت نے بہت بھدے قسم کی ڈانس کیا تھا۔ وہ بار بار کولہے

مٹکاتی تھی اور فحش گیت گاتی تھی۔ گیت کے بول تھے ''بھرت پور
لٹ گیو ہائے میری اماں .....'' یہ ڈانس میرے ذہن میں کسی
خنجر کی طرح پیوست ہو گیا تھا اور نکالے نہیں نکلتا تھا۔ میں جب
سنگھاردان لکھ رہا تھا تو وہ عورت میرے لاشعور کے نہاں خانے
سے نکل کر میرے پاس بیٹھ گئی تھی اور اس نے مجھے کچھ جملے
ڈیکٹیٹ کیے تھے ''ہائے راجا''.....لوٹ لو بھرپور۔''
''اوئی دیا..... ہائے راجہ.....اس گیت کے بول ہیں جو
کہانی میں در آئے ہیں۔'' 6

''سنگھاردان'' شموئل احمد کے افسانوں میں سب سے زیادہ مشہور ہے اور ان کے افسانوی مجموعہ کا نام بھی ہے۔ اس سے محسوس ہوتا ہے کہ خود مصنف کو اس افسانے کو اہمیت دینا مطلوب ہے۔ ''سنگاردان'' ایک مختلف طور کا افسانہ ہے۔ جو غالباً پوری افسانوی تاریخ میں ایک الگ قسم کی تخلیق ہے۔ کسی چیز کا الگ ہونا اپنے آپ میں ایک امتیاز ہوتا ہے۔ ''سنگھاردان'' ایک پروٹسٹ ہے جو اپنی جڑوں سے وابستہ رہنے پر زور دیتا ہے۔

''سنگھاردان'' کا پہلا جملہ ہے ''فساد میں رنڈیاں بھی لوٹی گئی تھیں .....'' اور ایسی ہی لوٹ کہانی برج موہن سے وابستہ ہے۔ نسیم جان طوائف کا سنگھاردان وہ لوٹ کے مال کے طور پر لے آیا فسادات میں ایسا ہوتا ہے۔ نسیم جان کو ایک طوائف ہونے کے باوجود یہ سنگھاردان بہت پسند تھا اور وہ برج موہن کے پاؤں سے لپٹ کر سنگھاردان واپس کرنے کی درخواست کرتی ہے۔ نتیجے

میں اس کی کمر پر ایک زور کی لات ماری جاتی ہے اور وہ زمین پر گر جاتی ہے۔ برج موہن سنگھار دان لے کر نیچے اتر جاتا ہے۔ وہ سنگھار دان جب گھر لے کر آتا ہے تو اس کے گھر کے سارے افراد اس کے اردگرد چکر لگاتے ہیں اور حیرت انگیز طور پر برج موہن کی پوری فیملی رنڈی پن کے انداز سے قریب ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ آخری لمحے میں خود برج موہن جو کچھ کرتا ہے اس کا گھر ایک طرح کا طوائف خانہ بن جاتا ہے۔

دراصل یہ ایک طوائف کی کہانی نہیں ایک سنگھار دان کی کہانی ہے۔ یہ سنگھار دان دراصل ایک کلچر ہے جو اپنے آپ میں اٹوٹ ہے اور جسے ختم کرنا بے حد مشکل ہے۔ اس سنگھار دان میں نسیم جان بھی ہے۔ اس کا پورا ماحول بھی ہے۔ یہ تمام چیزیں اس میں محفوظ ہیں اور اس کے اثرات اتنے دور رس ہیں کہ جو اسے چرانا یا غصب کرنا چاہتا ہے گویا وہ اس روایت کا حصہ بننے پر مجبور ہے۔ افسانے کا انوکھا پن ایک امتیازی صورت پیدا کر رہا ہے شاید یہی وجہ ہے کہ ''سنگھار دان'' کم وقت میں مشہور افسانہ بن گیا۔

اسی نام سے انھوں نے اپنا دوسرا افسانوی مجموعہ جاری کیا۔ ''سنگھار دان'' شموئل احمد کا دوسرا افسانوی مجموعہ ہے۔ جو 1996 میں تخلیق کار پبلی کیشنز دہلی سے چھپا ہے۔ افسانہ ''سنگھار دان'' کی پسندیدگی اور مقبولیت شموئل احمد کی شناخت ہے۔ ''سنگھار دان'' 1996 میں معیار پبلی کیشنز دہلی سے شائع ہوا۔ اس افسانوی مجموعے میں کل دس (10) افسانے شامل ہیں۔ جن کی فہرست درج ذیل ہیں۔

(1) سنگھار دان (2) آنگن کا پیڑ (3) بہرام کا گھر (4) بدلتے رنگ (5) ٹیبل (6) برف میں

آگ (7) جھاگ (8) کہرے (9) بگولے (10) آدمی اور مین سوئچ

افسانوی مجموعہ ''القمبوس کی گردن'' 2002 کو نقاد پبلی کیشنز پٹنہ سے شائع ہوا۔ اس مجموعے کے افسانوں کو تعداد دس (10) ہے۔

(1) کاغذی پیرہن (2) محمد شریف کا عدم گناہ (3) ایڈس (4) جھگمانس (5) منرل واٹر (6) القمبوس کی گردن (7) مرگھٹ (8) مصری کی ڈلی (9) جھاگ (10) سنگھاردان

شموئل احمد جن افسانوں میں علم نجوم کے اصولوں کا سب سے زیادہ استعمال کیا ہے ان میں ''القمبوس کی گردن'' کافی اہم ہے۔ اس افسانے کی بنیاد ہی علم نجوم کے اصول پر ہے۔ ''القمبوس کی گردن'' میں عربی ادب کا کوئی قدیم اسطوری کردار ہے۔ جسے شموئل احمد نے اپنے افسانے کا کردار بنایا ہے۔ بعض نقادوں کا خیال ہے کہ یہ نام افسانہ نگار نے خود واضح کیا ہے۔ چاہے جو بھی ہو لیکن افسانے کا عنوان ہی قاری کو چونکا دیتا ہے۔ شیخ عقیل احمد نے ''القمبوس کی گردن'' پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں؛

> ''اس کہانی میں بھی چوں کہ افسانہ نگار کو کہانی کی بنیاد علم نجوم پر رکھا تھا اور اس میں کسی ماہر علم نجوم کو بھی کردار بناتا تھا کہ علم نجوم کے اصولوں کی مدد سے کہانی کو آگے بڑھایا جا سکے اور کہانی میں دلچسپی پیدا کی جا سکے۔ اس لیے کہانی کے اہم کردار کا نام عام ناموں سے ہٹ کر کچھ عجیب سا نام ''القمبوس'' رکھا۔ جو کسی اساطیری کہانی کا کردار معلوم ہو۔ اس کردار کو مذید عجیب وغریب

اور مافوق الفطرت جیسا کردار دکھانے کے لیے اس کی گردن
دوج کے چاند کا سبزہ رنگ کا نشان دکھایا جو بعد میں تلوار کی شکل
اختیار کرلیا ہے۔
ایسے میں کسی نجومی سے اس کی تعبیر پوچھنا ضروری ہے۔افسانہ
نگار نے ماہر علم نجوم کا درآنا کہانی کی مناسب کی عین فطری
ہے۔''7

''القمبوس'' کہانی کا مرکزی کردار ہے۔جس کی گردن پر ہلکا سا سرخ نشان تھا۔یہ نشان دوج کے چاند کی طرح باریک تھا جو پیدائشی تھا۔''القمبوس'' کی عمر کے ساتھ وہ نشان بھی پھیلتا گیا۔جب القمبوس کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو وہ نشان تلوار کی شکل اختیار کر گیا۔القمبوس کے باپ نے اس نشان کی وضاحت کے لیے القمبوس کو ملنگ کے پاس لے گیا۔اس افسانے کی بنیاد ہی علم نجوم پر ہے۔اس لیے افسانہ نگار نے ملنگ اور علم نجوم کی اہمیت کا قاری کو احساس دلانے کے لیے ملنگ کو اس طرح تصویر کشی کی ہے۔

ملنگ نے امیر عسطیہ کا زائچہ بنا کر اس طرح اظہارِ خیال کیا ہے؛

''زائچہ میں شمس وزحل مائل بہ زوال تھے۔مشتری برج جدی میں
تھا۔عطارد اور زہرہ کا برج عقرب میں اتصال تھا۔ملنگ نے بتایا
کہ مریخ جب سرطان سے گزرے گا تو اس کے تاریک دن
شروع ہوں گے۔مریخ برج ثور میں تھا اور سرطان تک آنے میں

چالیس دن باقی تھے۔عسطیہ کی نظر تحت جمہوریہ پر تھی۔چالیس
دن بعد امید کا انتخاب ہوتا تھا۔عسطیہ کر فکر دامن گیر ہوئی۔ملنگ
نے مشورہ دیا کہ ستاروں کی تسخیر کے لیے وہ مقدس کی تعمیر کرے۔
بخور جلائے اور ورد کرے تا کہ اقتدار کی دیوی وہاں سکونت
کر سکے۔''8

کسی نجومی ملنگ کے پاس زیادہ تر وہی لوگ جاتے ہیں۔جو لوگ یا تو پریشان رہتے ہیں یا پریشانیوں سے خوف زدہ رہتے ہیں۔جس طرح القمبوس کا باپ ملنگ کے پاس آیا اسی طرح ایک نوجوان بھی ملنگ کے یہا آتا ہے ملنگ کو مذید باکمال دکھانے کے لیے افسانہ نگار نے ایک نوجوان کو پیش کیا جس کی بیوی اس سے الگ کر دی گئی اور وہ اپنی بیوی کے جواب کو ملنگ کی بیوی کے ڈول کے کنویں میں گرنے سے جوڑ کر دکھایا۔اس کے متعلق شیخ عقیل احمد کہتے ہیں؛

''ملنگ کی بیوی کے ڈول کا کنویں میں گرنا اس بات کی علامت
ہے کہ بیوی چل چکی اور دونوں پہلو بہ پہلو ہوں گے کیوں کہ
کنویں میں پانی کنبہ کی مثال ہے۔اسی باہر کی طاقت ہے جو ڈول
کی مدد سے پانی کو کنویں کی مدد سے الگ کرتی ہے۔اسی ٹوٹ گئی
اور ڈول گر گئی۔اب علٰحدہ کرنے والی طاقتیں کام نہیں کر رہی ہیں
یعنی زوجہ وہاں سے چل چکی۔''9

القمبوس کے باپ القمبوس کو آگے بڑھاتا ہے اور ملنگ سے القمبوس کی گردن پر بنے نشان کے

متعلق پوچھتا ہے تو ملنگ بتاتا ہے کہ ''امیر سلطنت کی کرسی کا پایا اس کی گردن پر ٹکے گا.....'' اسی وقت امیر عسطیہ وہاں پہنچتا ہے اور اپنی پریشانی کا حل پوچھتا ہے۔اس کی نظر تخت جمہوریہ پر تھی۔چالیس دن بعد امیر کا انتخاب ہوتا تھا۔ملنگ عسطیہ کو مشورہ دیا کہ ''ستاروں کی تسخیر کے لیے وہ مقدس کی تعمیر کرے۔بخود جلائے اور ورد کرے تا کہ اقتدار کی دیوی وہاں سکونت کر سکے۔'' ملنگ کے کہنے کے مطابق عسطیہ بیضوی شکل میں گھیرا بندی کرتا ہے۔صبح طلوع آفتاب کے ساتھ ورد کرنا شروع کر دیتا ہے خود جلاتا ہے اور شمع روشن کرتا ہے آگے افسانہ نگار لکھتا ہے؛

> ''شمس ،قمر،عطارد ،زہرہ ،مریخ ،مشتری اور زحل کے ستون پر بالترتیب شمع روشن ہوگی۔پہلے شمس کی ستون پر اقتدار کی ملکہ قربانی چاہتی ہے۔قربانی کی جنس کا سر راہو کے گڈھے میں دھڑ کنویں کے گڈھے میں دفن ہوگا اور قربانی کی ساعت مریخ کی ساعت ہوگی۔''10

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ اقدار کی ملکہ قربانی چاہتی ہے۔یہ قربانی القمبوس کی قربانی ہے۔افسانہ نگار نے پہلے ہی اس بات کا اشارہ کیا ہے۔مندرجہ بالا میں ہم نے دیکھا ہے نشان کے متعلق ملنگ بتاتا ہے کہ ''امیر سلطنت کی کرسی کا پایا اس کی گردن پر ٹکے گا.....'' اور پھر اس وقت امیر عسطیہ کو وہاں حاضر کر کے افسانہ نگار نے امیر عسطیہ کے سوال اور القمبوس کے باپ کو دیے ہوئے جواب سے جوڑ دیا ہے۔القمبوس کے قربانی کے متعلق شیخ عقیل احمد کہتے ہیں؛

> ''افسانہ نگار نے یہ کہہ کر کہ ''قربانی کی ساعت مریخ کی ساعت

ہوگی'' یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ مریخ مارتا ہے اور ہتھیار بھی
ہے اس لیے مریخ کی ساعت میں القمبوس قسمت کا مارا وہاں آتا
ہے اور قربانی کے لیے قتل ہو جاتا ہے۔''11؎

شموئل احمد کا افسانہ ''القمبوس کی گردن'' میں شامل علم نجوم کے اصولوں نے افسانہ میں عجیب وغریب کیفیت پیدا کر دی ہے۔اس افسانہ کا کردار القمبوس نے باپ کے دل و دماغ میں القمبوس کی زندگی اور اس کے مستقبل کو لے کر ایک خاموش ہلچل پیدا کی ۔امیر کے دل میں ستاروں میں غیر مناسب چال کے ذریعہ اقتدار کے ہاتھ سے نکل جانے کا جو خوف پیدا کیا ہے۔اس کا کوئی جواب نہیں اور اس خوف سے نجات پانے کے لیے بے قصور القمبوس کی قربانی میں بھی جو کش مکش پیدا کی ہے وہ قابل تعریف ہے۔

''عنکبوت'' شموئل احمد کا چوتھا افسانوی مجموعہ ہے۔2010 کو ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی سے شائع ہوا۔یہ مجموعہ 163 اوراق اور 12 افسانوں پر مشتمل ہے۔

(1) عنکبوت (2) ظہار (3) سراب (4) اونٹ (5) مصری کی ڈلی (6) محمد شریف کا عدم گناہ (7) جھاگ (8) کاغذی پیراہن (9) جھگمانس (10) منرل واٹر (11) القمبوس کی گردن (12) گرداب (ناول کا ایک باب)

شموئل احمد کے افسانوی مجموعے میں شامل ایک افسانہ جھگمانس ہے اس میں شموئل احمد نے سیاسی رہنماؤں کے کرتوتوں کو بے نقاب کرتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح الیکشن جیتنے کے لیے فسادات پھیلاتے ہیں ۔بے گناہ لوگوں پر ظلم وستم ڈھائے جاتے ہیں اور ان کی جان

و مال سے کھیلا جاتا ہے۔اس افسانے کا مرکزی کردار کپور چند ملتانی ہے جو کانگریس کا لیڈر ہے۔ وہ ہر قیمت پر الیکشن جیتنا چاہتا ہے لیکن اس کی قسمت اس کا ساتھ نہیں دیتی ۔اس کا ہر منصوبہ ناکام ہو جاتا ہے۔اقلیت کے ووٹ حاصل کرنے کے لیے شہر میں دنگا کرواتا ہے۔جس کی آگ میں پورا شہر جل اٹھتا ہے۔لیکن اس کا فائدہ بی۔جے۔پی کو ہوتا ہے۔اس کا امیدوار الیکشن جیت جاتا ہے۔

شموئل احمد نے اس افسانے کی شروعات جس جملے سے کی ہے اس میں علم نجوم کی اصطلاح ''شنی ساڑھے ساتی'' کا استعمال ہے۔شیخ احمد ''شنی ساڑھے ساتی'' کی وضاحت کرتے ہیں؛

> ''علم نجوم میں شنی ساڑھے ساتی سے مراد شنی یعنی زحل کی نحس چال ہے۔شنی اپنے مدار پر گھومتا ہوا جب زائچہ کے قمر یعنی چندر ما کے عین پیچھے والے برج میں آتا ہے تو ساڑھے ساتی شروع ہو جاتی ہے اور حال اس وقت تک نحس سمجھی جاتی ہے۔جب شنی گھومتا ہوا قمر سے تیسری برج (راشی) پر نہیں آجاتا۔چوں کہ شنی کو ایک برج طے کرنے میں ڈھائی سال لگتے ہیں اس سے تین برجوں کو طے کرنے میں اسے ڈھائی سال لگتے۔اس لیے تین برجوں کو طے کرنے میں اسے ساڑھے سات سال لگ جاتے ہیں اس لیے شنی کی اس چال کو ساڑھے ساتی کہا جاتا ہے۔''12

اس اصطلاح کے استعمال سے کہانی کے آغاز ''اختتام اور انجام کے متعلق کئی پیشن گوئیاں بیان کر دی گئی ہیں مثلاً کپور چند ملتانی کو قسمت کے ستارے گردش میں ہیں۔اس کے منصوبے اور سوچ

غلط ہوں گے اور اس کے تمام منصوبے بگڑ جاتے ہیں ۔اس کے حالات میں سدھار آنے کم از کم ساڑھے سات سال لگیں گے۔

شموئل احمد کی افسانہ نگاری کے بارے میں سلام بن رزاق کہتے ہیں؛

''منٹو کے بعد اگر کسی نے جنس کو صحیح پراسپیکٹیو میں اور صحیح تناظر میں اگر کوئی برتا ہے تو وہ شموئل احمد ہے انھوں نے جنس کو بہت اچھے طریقے سے اور فکشن کے آرٹ کا حصہ بنا کر پیش کیا ہے ۔ حالاں کہ لوگ ان کو جنس کے افسانہ نگار کہتے ہیں ۔لیکن ایسا نہیں ہے کہ انھوں نے جنس کو آرٹ بنایا ۔ایک دوسری بات ہے اور صرف جنس کو جنس ہی رکھ کر افسانے لکھنا یا ناول لکھنا وہ ایک چیز ہے ۔انھوں نے جنس کو آرٹ بنایا ۔جیسے سنگھاردان بہت ہی مشہور افسانہ ہے ۔سنگھاردان ان کے فن کی علامت ہے ۔ان کے افسانے کی ایک دوسری خوبی یہ ہے کہ انھوں نے علم نجوم کو بطور فکشن برتا ہے۔''13؎

شموئل احمد کے اب تک تین ناول ندی ،مہاماری اور اے دلِ آوارہ منظرِ عام پر آئے ہیں ۔ ایک اور ناول گرداب جو مکمل تو ہوا لیکن منظر عام پر نہیں آیا۔

شموئل احمد کی ہر تحریر ان کی تجربات واحساسات کی مرہونِ منت ہے ۔شموئل احمد کہتے ہیں کہ ''میں کہانی سوچ کر نہیں لکھتا مجھے کہانی مل جاتی ہے ۔کہانی قدم قدم پر بکھری پڑی ہے بس دیکھنے والی

نظر چاہیے۔شموئل احمد اپنے ایک دوست کی کہانی کو اپنی بے بسی کو کہانی کی شکل میں پیش کیا۔ بقول شموئل احمد؛

''میری ایک انٹلکچوئل دوست ہے جس نے بتایا تھا کہ اس کی مرضی نہیں بھی ہوتی ہے تو شوہر بستر پر آتا ہے۔اور اس کو یہی محسوس ہوتا ہے کہ وہ استعمال ہونے کی چیز ہے اور اس کا ریپ ہو رہا ہے۔میں نے ناول ''ندی'' میں اس کی نفسیات بیان کی ہے۔''14

''ندی''، شموئل احمد کا پہلا ناول ہے۔108 اوراق پر مشتمل اور 4 ابواب پر منحصر ہے۔''ندی'' ایک عورت کی نفسیاتی کیفیات اور مرد اور عورت کی ازدواجی زندگی کی جنسی پیچیدگیوں کو پیش کرتا ہے۔ ناول کے کرداروں کا کوئی نام نہیں ملتا صرف واقعات کے موڑ ہیں جو ناولٹ کی کہانی کو لے کر چلتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ناولٹ خاص طور پر نفسیاتی ناول سوچ کر پیش کیا گیا ہے۔اس میں نفسیاتی کیفیات کو کرداروں کی انا (Ego) سوپر ایگو بتا کر پیش کیا گیا ہے جو لذتین کے سہارے ابھاری گئی ہے۔اس میں ٹکراؤ، ہیرو کی اصول پرستی اور ہیروئین کی علمی لیاقت توازن حیات اور عورت کی عزت نفس کے درمیان ہے اور یہی ٹکراؤ بعد کو زن وشوہر کی علاحدگی تک پہنچتا ہے۔

ناول کا عنوان ایک علامتی نام معلوم ہوتا ہے جو ایک یہ مفہوم ادا کراتا ہے کہ ہیرو اور ہیروئن کے گھروں کے پاس ندی بہتی ہے مگر علامتی ڈھنگ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک طرح سے زندگی کی علامت بھی ہے۔جس طرح ہیرو ہیروئن واقعات کے ساتھ چل رہے ہوتے ہیں اسے ایک طرح سیر

زندگی کہنا چاہیے۔اس طرح ندی کی علامت دلچسپ اور واضح ہے۔ بقول لطف الرحمٰن :

''عصری زندگی کی اس عاملگیر صداقت کو شموئل احمد نے اثر و تاثر کے ساتھ کہانی کا روپ بخشنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔اس کی انفرادیت اس امر میں مضمر ہے کہ انہوں نے بے حد مختصر کینوس پر حیات و کائنات کے اتنے اہم مسئلے کو بھرپور تخلیقی تجزیہ بنا دیا ہے۔ یہ کہانی معنویت کی دو سطحیں رکھتی ہے۔پہلی سطح پر ایسے نوجوان کی زندگی اور نفسیات کی نمائندگی کرتی ہے جو سائنسی کلچر کی پیداوار ہے۔اور دوسری طرف عہد حاضر میں موضوعیت پر معروضیت کی ترجیح کے خلاف احتجاجی رویہ نمایاں ہوا۔ یہ احتجاجی رویہ عہد حاضر کی نفسیات کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔ ہیروئن کے کردار سے اس رویے کی خوبصورت عکاسی ہوتی ہے۔معنویت کی اس دوسری سطح نے شموئل احمد کے ناولٹ کو حسین جمالیاتی تجربے کی حیثیت بخش دی ہے۔ بلاشبہ اردو ناول نگاری کی روایت میں ندی کی انفرادی حیثیت کا اعتراف ہمیشہ کیا جائے گا۔''15؎

بقول دیویندر اسّر:

''ندی'' دل کی بے سود تڑپ اور جسم کی مایوس پکار کا ایک ایسا

استعارہ اور کوڑ ہے جو کشائی کے لیے اپنے قارئین سے مطالبہ کرتا
ہے کہ مجھ اس طرح نہ پڑھو جیسا کہ لوگ ناول پڑھتے ہین۔اس
طرح پڑھو جیسا کہ لوگ زندگی کرتے ہیں، کیوں کہ میں ایروز کا وہ
آئینہ خانہ ہوں جس میں داخل ہونے کے لیے ہر کوئی آزاد ہے
لیکن جس سے باہر نکلنے کے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں۔''16؎

ناول کا انداز بیان بے حد متاثر کن ہے۔کہیں بھی بیانات طوالت اختیار نہیں کرتے ہیں ۔ جتنی ضرورت ہوتی ہے اتنا ہی بیان پیش کیا جاتا ہے۔

ناول ندی میں عورت اور مرد کے قصے کو پیش کرتے ہوئے تشبیہوں، استعاروں کے ذریعہ ناول کے اسلوب بیان میں رنگ بھرنے کی کوشش کی گئی ہے۔دیومالائی اور اساطیری زبان کا استعمال بھی ان کے ناول کو زینت بخشتا ہے۔

''مہاماری''شموئل احمد کا دوسرا ناول ہے جو 2003 میں منظرِ عام پر آیا۔ناول ''مہاماری'' ایک سیاسی ناول ہے۔اس کا شمار اردو کے اہم ناولوں میں ہوتا ہے۔اس ناول میں سیاست کے خلاف احتجاج سرِ عام کیا گیا ہے۔اس ناول میں استحصال اور جبر وتشدد کی عکاسی ملتی ہے۔اس ناول میں عام آدمیوں کے استحصال کرپشن اور سیاسی بدعنوانیوں کا مشاہدہ بہت قریب سے کیا ہے۔

''اے دل آوارہ''شموئل احمد کا تیسرو ناول ہے۔حال ہی میں یعنی 2015 میں منظرِ عام پر آیا۔یہ ناول 212 اوراق پر مشتمل اور 12 ابواب پر منقسم ہے۔''اے دل آوارہ''ایک سوانحی ناول ہے۔

''گرداب'' شموئل احمد کا چوتھا ناول ہے جو مکمل ہو چکا ہے لیکن منظرِ عام پر نہیں آیا۔ یہ ناول رسالہ ''راوی'' میں قسط وار چھپا جس کا موضوع ''ایکسٹرا میریٹل افیرس'' (Extra Marital Affairs) ہے۔اس کے علاوہ اس میں انھوں نے ٹیرو کارڈس سے کام لیا ہے۔ بقول شموئل احمد؛

''زیرِ قلم ناول ''گرداب'' میں ٹیرو کارڈس کے اوصاف سے کام لے رہا ہوں۔''17

یہ کتاب جلد ہی راوی پبلی کیشنز جمشید پور سے چھپنے والی ہے۔اس ناول کو سمجھنے کے لیے ''اے دل آوارہ'' کا مطالعہ ضروری ہے۔

شموئل احمد صنف اول کے مترجم ہیں۔اردو اور ہندی میں یکساں قدرت رکھتے ہیں۔انھوں نے اپنے دس نمائندہ افسانوں کا پنجابی زبان میں ترجمہ کیا ہے جو مرگ تراشنا کے نام سے شائع ہوا ہے۔انگریزی میں ندی کا ترجمہ ''River'' اور افسانوی مجموعہ ''سنگھاردان'' کا ترجمہ '' The Dressing Table'' کے نام سے ہوا۔ان تراجم کو جسٹ فکشن نامی ادارے نے 2013 میں جرمنی میں شائع کیا۔ان کے تمام تخلیقات افسانے اور ناول ہندی میں اشاعت پزیر ہو چکے ہیں۔ساہتیہ اکاڈمی کی درخواست پر گجراتی ناول کنواں کا ہندی سے اردو میں ترجمہ کیا۔اس کے علاوہ انھوں نے ''گرہم گرین'' کے انگریزی افسانوں کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔

شموئل احمد کو علم نجوم سے گہرا شغف ہے۔اردو میں پہلی بار علم نجوم کی اصطلاحوں کا تخلیقی اظہار ''القمبوس کی گردن، مصری کی ڈلی اور جھگمانس'' جیسی کہانیوں میں کیا ہے اور اب دو ہزار صفحات پر مشتمل ''کشف النجوم'' کی تصنیف میں مصروف ہیں۔

ناول اور افسانوں کے علاوہ انھوں نے ٹیلی اسکرپٹ بھی لکھے ہیں۔ ''آنگن کا پیڑ اور کاغذی پیراہن ان کی نشریات'' ہیں۔

''مہاماری، آنگن کا پیڑ، کاغذی پیراہن، مرگ تراشنا اور سنگھاردان'' شموئل احمد کی وہ کہانیاں ہیں جن پر ٹیلی فلمیں بن چکی ہیں۔

ممبئی کے ایک پروڈیوسر بشیر دیسائی نے ''سنگھاردان'' پر اکیاون قسطوں میں سریل کی تعمیر کی۔ دہلی دوردرشن پر نشر ہونے والا تھا لیکن نشر ابھی بھی التوئ میں ہے۔

''سنگھاردان'' کو علی گڑھ، دہلی اور ممبئی میں کئی بار اسٹیج کیا گیا۔ اردو اکاڈمی دہلی نے بھی اسے اسٹیج کیا لیکن اس کے متعلق نہ شموئل احمد سے اجازت لی گئی اور نہ ہی ان کا نام کہیں پیش کیا گیا اور اس کے کرداروں کے نام بھی بدل دیئے گئے ہیں۔

شموئل احمد نے شاعری میں طبع آزمائی کی ہے۔ بچپن میں پڑھے ہوئے کچھ فارسی کے اشعار یاد ہیں۔ ان کے متعلق شموئل احمد کہتے ہیں؛

> ''فارسی کے وہی اشعار یاد ہیں جو والد گنگناتے تھے وہ بولتے
> دردشت جنون من .....'' مجھ سے کہتے آگے بولو میں کہنا جبریل
> زبوں صیدے.....'' 18

دوسری جگہ لکھتے ہیں؛

> ''والد کھانا کھا کر بستر پر دراز ہو جاتے اور مولانا رومؔ اور حافظؔ
> کے اشعار گنگناتے اور میں ان کے پاؤں دباتا حافظؔ اور رومؔ کو

میں نے والد کے ذریعہ ہی جانا ۔ان کے سرہانے غالبؔ کا
دیوان بھی رہتا تھا۔ مجھے غالبؔ کے وہی اشعار یاد ہیں جو وہ پڑھا
کرتے تھے۔''19؎

شموئل احمد کو عہد طفلی سے ہی شاعری سے دلچسپی تھی ۔انھوں نے ''مہاماری ،اے دل آوارہ'' میں اپنے اشعار کوٹ کئے ہیں۔ میں یہاں یہ بات واضح کرنا چاہتی ہوں کہ شموئل احمد کے تخلیقات میں چاہے نثر ہو یا نظم کسی سے اصلاح نہیں کروائی ۔ان کا کوئی استاد نہیں ہے ۔شموئل احمد اپنی کتاب ''اے دل آوارہ'' میں لکھتے ہیں؛

''مجھے یاد ہے ''چچا کا تار'' میں جملہ تھا ۔وہ آنکھیں جن میں
آنسو بھرے تھے چھلک پڑیں'' ..... بھیا نے اس میں ترمیم
کر دیا۔''وہ آنکھیں جن میں پہلے سے آنسو بھرے تھے گنگا جمنا کی
دھار بن کر پھوٹ پڑیں''.....والد نے اس کہانی کی بہت
تعریف کی خاص کر اس جملے کی لیکن میں بالکل خوش نہیں ہوا اس
میں بھیا کا قلم لگ چکا تھا۔ میں نے سوچا کہ اب کسی سے اصلاح
نہیں لوں گا ۔اسی زمانے میں بوا کی شادی ہوئی تھی ۔میرے
یہاں بڑی بہن کو بوا ہی کہتے ہیں والد نے کہا الوداع لکھ کر لاؤ
میں نے الوداع لکھ کر سنایا تو سب کی آنکھیں چھلک پڑیں ۔کچھ
مہمان بھی آئے ہوئے تھے ۔والد نے ان کو بھی سنانے کے لیے

کہا گھر کے کسی بزرگ نے یہ سوچ کر میری تحریر میں ردو بدل کر دیا کہ اردو اچھی ہو جائے گی تو باہر والوں پر رعب پڑے گا میں نے ترمیم شدہ تحریر سنائی تو کسی پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ والد نے کہا کیا واہی تباہی سنا رہے ہو .....وہ سناؤ جو تم نے لکھا ہے۔ اس دن میں نے اس بات پر مہر لگا دی کہ زندگی میں کبھی کسی سے اصلاح نہیں لوں گا۔''20؎

شموئل احمد کے اشعار جو ناول ''مہاماری'' میں ہیں ملاحظہ ہو؛

ہند صدیوں کی غلامی سے تو آزاد ہوا
تم بھی آزاد ہوئے اہلِ وطن سے پوچھ

☆

ماں بچپن میں سناتی تھی کہانی
کہانی میں
پری ہوتی
دیو ہوتا
اور ہوتے شہزادے
پری دیو کی قید میں ہوتی
اور میں پوچھتا

ماں! کیوں ہوتا ہے تمہاری ہوا ایک کہانی میں دیو؟

ماں ہنستی تھی اور کہتی تھی

جہاں پری ہوگی وہاں دیو ہوگا

اور ایک شہزادہ بھی

ماں شہزادے کو نجات دہندہ بتلاتی تھی

مجھے یاد ہے

میں خوف سے آنکھ بند کر لیتا

ایسا تو نہیں دیو ڈھونڈ لے گا شہزادے کو

ماں سناتی ہے اب میرے بچوں کو کہانی

کہانی میں پری ہوتی ہے

دیو ہوتے ہیں

نہیں ہوتے شہزادے

کہاں گئے شہزادے''

☆

تم نہی مار سکتے کرگس

تم مار سکتے ہو بھیڑیا

جنگلی سور

یہاں تک کہ شیر بھی

نہیں مرے گا کرگس

مرتی ہیں

فاختائیں

ابابیلیں

اور گنبد میں غٹرغوں کرتے کبوتر

کرگس شاہی قلعہ کی اونچائی پر بیٹھتا ہے۔

☆

اے جمہوریت کی پری!

چکّی لے اور آٹا پیس

تو خاک پر بے تخت بیٹھ

اب تو نرم انداز اور نازنین نہ کہلائے گی

اپنا نقاب اتار اور دامن سمیٹ لے ٹانگیں ننگی کر کے

ندیوں کو عبور کر

تیرا بدن ننگا کیا جائے گا بلکہ تیرا ستر بھی دیکھا جائے گا۔

ایک ردا زینب کے سر پر اب بھی تھی سرسبز

وہ بھی رنگ نہ غیر کو بھیا چھین کے کر دیا لال

''اے دلِ آوارہ'' میں شامل شاعری ملاحظہ ہو؛

اور کچھ دیر میں لٹ جائے گا بر بام پر چاند
اس گھڑی اے دلِ آوارہ کہاں جاؤ گے

اس کے علاوہ انھوں نے رادھا کرشن پر بھی ایک نظم لکھنا چاہتے ہیں ۔اس کے علاوہ ان کی دیگر کتابیں ''پاکستان (ادب کے آئینہ میں)''اور ''اردو کی نفسیاتی کہانیاں'' ہیں۔

اردو کی نفسیاتی کہانیاں

''اردو کی نفسیاتی کہانیاں'' 2014 کو ارم پبلیشنگ ہاؤس پٹنہ سے شائع ہوئی ۔اس کتاب کے نام سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب اردو کی نفسیاتی کہانیوں پر مشتمل ہے ۔اس کتاب میں ان اردو کہانیوں کا تجزیہ کیا گیا ہے جو نفسیات پر مبنی ہے جس میں ننگی ''آوازیں'' از سعادت حسن منٹو شہزادہ'' از کرشن چندر ''انوکھی مسکراہٹ'' از محمد محسن ''اس کی بیوی'' از غلام عباس ''کبھی کھوئی ہوئی منزل'' از ضمیر الدین ''افعی'' از غیاث الدین گدی ''ماتھے کا تل'' از ممتاز مفتی ''استفراغ '' از سلام بن رزاق ''گومڑ'' از عبد الصمد ''نماز پڑھو'' از اقبال کرشن ''گلوب'' از طارق چھتاری ''کرچیاں'' از جاوید ''نہاں چشمی اور برف میں آگ'' از شموئل احمد وغیرہ شامل ہیں۔

پاکستان (ادب کے آئینے میں)

پاکستان (ادب کے آئینے میں) 2015 کو ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی سے شائع ہوئی۔اس کتاب میں فاضل مقالہ نگاروں کے معیاری مضامین ،اقتباسات ،نظمیں اور افسانے شامل ہیں۔

اس کتاب میں شامل افسانے پاکستانی افسانہ نگاروں کی شاہکار تخلیقات ہیں جو فن پر ان کی

دسترس کے علاوہ ذمہ دار افسانہ نویسی کا ثبوت بھی ہیں۔اس کتاب میں نسیم صبا کی کہانی ''چراغ آفریدم'' اور شاہین کاظمی کی کہانی ''برزخ'' باغی خواتین افسانہ نگاروں کے جذبات کی ترجمانی کرتی ہیں۔ پاکستانی عورت جس عذاب سے گزر رہی ہے اس کا دل دہلا دینے والا اظہار ان افسانوں کی خصوصیت ہے۔

حوالہ

(1)اے دلِ آوارہ از شموئل احمد،ص 23-24

(2)ایضاً،ص 61-62

(3)ایضاً،ص 7

(4)شموئل احمد از رفیق جعفری مشمولہ 'اردو دنیا' دہلی، جون 2013،ص 7

(5)اے دلِ آوارہ از شموئل احمد،ص 9

(6)براہِ راست از گلزار جاوید مشمولہ 'چہار سو' شمارہ 23،جنوری تا فروری 2014،ص 13

(7)شموئل احمد کی کہانیوں میں علم نجوم کی معنویت از شیخ عقیل احمد مشمولہ 'چہار سو' شمارہ 23،جنوری تا فروری 2014،ص 24

(8)ایضاً،ص 24

(9)ایضاً،ص 24

(10)عنکبوت از شموئل احمد،ص 144

(11)شموئل احمد کی کہانیوں میں علم نجوم کی معنویت از شیخ عقیل احمد مشمولہ 'چہار سو' شمارہ 23،جنوری تا فروری 2014،ص 26

(12)ایضاً،ص 26

(13)شخصی انٹرویو

(14)براہِ راست از گلزار جاوید مشمولہ 'چہار سو' شمارہ 23،جنوری تا فروری 2014،ص 13

(15)ایسا کہاں سے لاؤں از عطیہ سکندعلی مشمولہ 'چہار سو' شمارہ 23،جنوری تا فروری 2014،ص 46

(16)ایضاً،ص45

(17)براہِ راست از گلزار جاوید مشمولہ 'چہارسو' شمارہ 23،جنوری تا فروری 2014،ص15

(18)اے دلِ آوارہ از شموئل احمد،ص62

(19)اے دلِ آوارہ از شموئل احمد،ص22

(20)اے دلِ آوارہ از شموئل احمد،ص60

باب سوم

مہاماری کا تنقیدی جائزہ

ناول ''مہاماری'' کے خالق شموئل احمد ہیں۔ یہ ان کا دوسرا ناول ہے۔ یہ ناول 2003 میں منظر عام پر آیا۔ 172 صفحات پر مشتمل یہ ناول آٹھ ابواب میں منقسم ہے۔ اس کا شمار اردو کے اہم سیاسی ناولوں میں ہوتا ہے۔

''مہاماری'' رسالہ ''مباحثہ'' میں قسط وار اور رسالہ '' نیاورق'' میں مکمل چھپا ہے اس کے بعد کتاب کی شکل اختیار کی۔

ناول ''مہاماری'' آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ ایڈس (افسانہ)) ایک مکمل کہانی ہے جو ناول مہاماری کا باب یا حصہ تھی لیکن ناول مہاماری میں اس کی نشان دہی تک نہیں کی گئی۔ ایڈس کو افسانوی مجموعہ ''القمبوس کی گردن'' میں جوں کا توں شامل کیا گیا۔ بقول شموئل احمد؛

> ''ناول کا یہ باب چوں کہ اپنے آپ میں ایک مکمل کہانی ہے۔ اسی لیے اسے مجموعے میں شامل کیا۔ یہ چوک ضرور ہوئی کہ اسے ناول کا حصہ بنانا چاہیئے تھا۔'' 1

اس ناول میں پیش لفظ نہیں ہے۔ وجہ طلب کی تو جواب ملا؛

> ''ناول میں پیش لفظ ہونا بھی نہیں چاہیئے۔ مہاماری میں میں نے پیش لفظ کے بجائے ایک شعر کوٹ کیا۔ جو پیش لفظ سے کم نہیں ہے۔'' 2

شعر ملاحظہ کریں؛

ہند صدیوں کی غلامی سے تو آزاد ہوا

تم بھی آزاد ہوئے اہلِ وطن سے پوچھ

چوں کہ فکشن اپنے عہد کی تصویر ہوتا ہے۔زمانے میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کی جھلک ادب میں دکھائی دیتی ہے۔ادیب ایک سماجی فرد ہے وہ جس طرح کے زمانے میں رہتا ہے اور سماج سے جس طرح کے اثرات قبول کرتا ہے اسی طرح کے ادب کی تخلیق کرتا ہے۔ادیب کی اپنے عہد کے سماجی حقائق اور مثبت انسانی اقدار سے وابستگی اٹوٹ ہے۔سماجی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور ادب کو سیاست کے محسوس وغیر محسوس جبر کے خلاف ایک ہتھیار کے طور پر اپنی تخلیقات اور تحریروں کا استعمال کرنے والوں میں شموئل احمد بھی ایک ہیں۔

بہ حیثیت ادیب شموئل احمد نے اپنا کام بخوبی انجام دیا۔ہر ایماندار تخلیق سماجی اور سیاسی بدعنوانیوں کے خلاف احتجاج درج کرتی ہے۔شموئل احمد نے بھی ناول ''مہاماری'' لکھ کر سیاسی بدعنوانیوں کے خلاف نہ اپنے احتجاج کا اظہار کیا ہے۔بقول شموئل احمد؛

> ''میں نے کرپشن کو بہت قریب سے دیکھا، میں نے دیکھا ہے
> کس طرح سرکاری خزانے خالی ہوتے ہیں اور عوام کتے کی طرح
> زنجیر سے بندھی رہتی ہے، میں کم سے کم پروٹسٹ درج کر ہی سکتا
> تھا تو میں نے ''مہاماری'' لکھی۔''4

موضوع

موضوع کے اعتبار سے ''مہاماری'' ایک سیاسی ناول ہے۔اس کا شمار اردو کے اہم ناولوں میں ہوتا ہے۔اس ناول میں سیاست کے خلاف احتجاج سرعام کیا گیا۔اس میں استحصال اور احتجاج تشدد کی عکاسی ملتی ہیں۔انفرادی، اجتماعی، سیاسی، مذہبی، سیاست کی مثالیں اس ناول میں ملتی ہیں۔یہ ناول ہمیں بتاتا ہے کہ جمہوریت کی کن افراد کے ہاتھوں کس طرح پامالی ہورہی ہے اس کو پڑھنے کے بعد قاری کا ذہن سیاست کی بدعنوانیوں کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

ان کے یہاں سیاسی وسماجی شعور بہ درجۂ اتم موجود ہے۔شموئل احمد نے موجودہ صورتِ حال کا ایک مؤثر نقشہ کھینچا ہے۔انھوں نے عام آدمیوں کے استحصال، کرپشن اور سیاسی بدعنوانیوں کا مشاہدہ بہت قریب سے کیا۔انھوں نے جس نزدیکی سے سیاست اور سماجی زندگی کا مطالعہ کیا ہے وہ کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

شموئل احمد ایک انجینئر کی شکل میں حکومت بہار کے سسٹم کا حصہ رہے ہیں۔اس لیے انھوں نے بہار کی سیاست کو نزدیک سے دیکھا اور سمجھا ہے۔کہانی کی ترتیب وتنظیم صوبہ بہار کے سیاسی منظر نامے کے پس منظر میں لکھی گئی ہے۔اس لیے اس میں بیان کردہ تمام واقعات ومعاملات کا اطلاق صوبہ بہار کی سیاسی سرگرمیوں اور ذات پات کی بنیاد پر مبنی ہے۔بہار کا سب سے بڑا Equation ''مائی سمیکرن''، یعنی مسلم اور یادو سمیکرن پر بھی ان کی گہری نظر ہے۔ناول کے موضوع کے متعلق ساجد رشید لکھتے ہیں؛

''اس ناول کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سیکس اور سیاست کے علاوہ کرپشن جیسے Subject پر بھی ان کی پکڑ بہت مضبوط ہے ۔اسی طرح شموئل احمد کا ویژن بہت وسیع معلوم ہونے لگتا ہے موضوع اور اسلوب کی ہم آہنگی شموئل احمد کا طرہ امتیاز ہے اور یہی ان کی کامیابی کا راز ہے۔''5؎

یہ ناول مائی سمیکرن پر بھی لکھا گیا یعنی ''مسلم ویادو سمیکرن'' سیاست اور سیاسی رہنماؤں کو بے نقاب کیا گیا۔اس ناول میں پیش کیے گئے واقعات ومعاملات سے نہ صرف سیاسی نقشہ ابھر کر سامنے آجاتا ہے بلکہ پورے ملک کا سیاسی نقشہ ابھر کر سامنے آجاتا ہے۔جس کی وضاحت ذیل کے اقتباس سے ہوتی ہے؛

''مہاماری کرگل کی پہاڑیوں پر بھی پھیلی .....میں وہاں گئی تھی۔''

شروانی انھیں حیرت سے دیکھا۔

''وہاں کفن چور دیکھے.....''

''وہاں سے ایک چیز لائی۔''

''آؤ دکھاتی ہوں۔''شروانی کا ہاتھ پکڑ وہ گیسٹ روم میں لے گئیں۔

وہاں فرش پر ایک تابوت رکھا تھا۔

''یہ پانچ سو کا ہے''لیکن تیرہ سو میں سودا ہوا''

''کیوں.....؟''

مجھے بتا یا گیا کہ المونیم کا ہے اور اس میں چاندی کا پتر لگے ہیں.....''

مسز چگانی تابوت میں لیٹ گئیں۔دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لئے اور آنکھیں بند کرلیں۔شروانی کو خوف سا محسوس ہوا۔

''چگانی جی!اٹھے۔اب مجھے اجازت دیجیے.....''

''اجازت.....!''مسز چگانی کا لہجہ بدل گیا۔

''آپ جانا چاہتے ہیں اور میں یہاں تابوت میں لیٹی ہوں.....یہ عجب چیز ہے۔یہاں فوجی کی چیخیں سنائی نہیں دیتی۔نہ ہی کسی کی لاش نظر آتی ہے۔یہاں صرف منافع دکھائی دیتا ہے .....فی لاش آٹھ سو کا منافع .....ہاہا ہاہا.....کرگل کے شہید جوانو!تمہاری لاش کا سودہ ہوا ہے..... تم جتنی تعداد میں مروگے اتنا ہی منافع ہوگا.....ہا.....ہا.....ہا.....ہا.....''6؎

مندرجہ بالا اقتباس میں ملکی سطح پر پھیلی ہوئی سیاسی بدکاریوں کو دیکھنے کو ملتی ہیں کہ کس طرح ہمارے جوانوں کی لاشوں کا سودا ہوتا ہے اور یہ بھی کہ وہ اس مہاماری کے شکار ہوتے ہیں۔اس سے

شموئل احمد کے فنکارانہ شعور کا پتا چلتا ہے جو اپنے ذاتی تجربات ومشاہدات کی مرہونِ منت ہے۔اس طرح یہ ایک نیم سوانحی ناول بھی ہے بقول قمبر علی؛

''شموئل احمد خود واٹر رسوریز ڈپارٹمنٹ کے ایکزیکوٹو انجینئر کے عہدے پر رہ چکے ہیں۔ایسا لگتا ہے کہ یہ ایک نیم خودنوشت ہے جس میں صداقتوں کے ساتھ زیب داستان بھی ہے اور زورِ قلم بھی۔''7

اصل میں اپنے ناول اور عمدہ افسانے کسی نہ کسی سچے واقعے پر مبنی ہوتے ہیں۔

پلاٹ

''مہاماری'' کا پلاٹ صوبہ بہار کی فرقہ پرست سیاست سے شروع ہوکر مختلف کروٹیں لیتا ہوا دور حاضر کی سیاست کا ایک عظیم سانحہ پیش کرتا ہے۔ناول کا بیشتر حصہ فنکار کے ذاتی تجربات، مشاہدات پر مبنی ہے۔لہٰذا انہی ذاتی واقعات تجربات ومشاہدات کی وجہ سے ناول نگار کو ایک مربوط ومنظّم پلاٹ بنانے میں کامیابی حاصل ہوئی بقول وہاب اشرفی؛

''سیاسی ناول بھی فن کے وہی آداب چاہتا ہے جو دوسرے قسم کے ناولوں کا تقاضا ہے۔شموئل احمد کی فن کاری کہیں بھی کسی بھی سطح پر انھیں گرنے نہیں دیتی۔وہ اپنے ناول کو ایک خاص رخ دینے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔شموئل احمد زندگی کے آر پار

دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اسے فن بھی بنا سکتے ہیں۔ یہ بڑی

بات ہے۔'' 8

اس ناول میں ایک مرکزی قصے کے تحت کئی ضمنی قصے ملے ہوئے ہیں جیسے۔زرینہ کا کرب ،راجہ ڈوم اور وزیر کی کہانی، ڈھانچوں کے خواب، حسن گنج کے حسن گداگری کی پکار اور شنکر جٹا کا پانی انڈیلنا، ضحاک اور کاوا کے قصے کا اشارہ، کمد چگانی کی نگاہوں میں سیاست اور سیکس کی امڑ گھمڑ اور باہم الٹ پھیر اور اس کے ساتھ معاملات، حاجی برکت اللہ کو بیٹی کا خیال نہ رہ کر جسیم الدین کے نوٹوں سے بھرے ہوئے سوٹ کیس کو صاف غٹک جانا وغیرہ۔ان تمام قصوں کی کڑیاں آپس میں جڑی ہوئی ہیں کہیں جھول دکھائی نہیں دیتا۔ یہ تمام آٹھ ابواب میں منقسم ہیں پھر بھی ناول کے قصوں میں توازن ترتیب اور ہیت کا خاص خیال رکھا گیا ہے احمد یوسف اس کے متعلق لکھتے ہیں؛

''بے حد گتھی ہوئی کہانی کردار بے حد Lively زبان بے حد

چست اور رواں دواں۔ناول کے پس پردہ جو بگڑا ہوا سڑا ایسا

سماج ہے اس کا پورٹرے کچھ شموئل احمد صاحب کا ہی کام تھا۔'' 9

شموئل احمد نے ناول ''مہاماری'' میں ابتدا تا انتہا قصے میں ایسا اثر چھوڑا ہے کہ عام قاری بھی اس سے اپنے آپ کو جڑا ہوا پاتا ہے۔اس طرح کا تاثر پیدا ہونا ایک عمدہ ناول کی پہچان ہے۔

مقصد اور اثر قصے میں تبھی قائم ہوگا جب ناول کا پلاٹ ربط وتوازن اور تسلسل کی کسوٹی پر کھرا اترے گا۔ ناول ''مہاماری'' کا پلاٹ ربط وتوازن اور تسلسل کی عمدہ مثال ہے۔بقول مشتاق احمد نوری؛

''مہاماری کوایک تجربے کی شکل میں بھی دیکھا جانا چاہئے۔ناول
موجودہ فارم سے ہٹ کر شموئل احمد نے یہ ناول تحریر کیا ہے
۔قسطوں میں پڑھ کر تاثر بنانا مشکل ہوتا ہے۔پورا ناول پڑھ کر
ایک خاص تاثر قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔''10؎

مندرجہ بالا مختلف اقتباسات کی روشنی میں ہم یہ کہی سکتے ہیں کہ ناول کا پلاٹ تمام خوبیوں پر کھرا اترتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ''مہاماری'' اردو ناول کی دنیا میں بطور سیاسی ناول اپنی ایک الگ پہچان رکھتا ہے۔

کردار نگاری

ناول ،ڈرامہ یا افسانہ فکشن کی تمام اصناف میں کہانی بیان کرنے کے لیے کرداروں کی ضرورت پیش آتی ہے۔کردار نگاری کے فن پر دسترس رکھنے والا ناول نگار کرداروں کے ذریعہ ناول کو ایک آئینہ بنا دیتا ہے۔جس میں دنیا کے تمام انسانوں کی زندگیوں کا عکس نظر آتا ہے۔کردار نگاری کے فن پر بحث کرتے ہوئے احسن فاروقی لکھتے ہیں؛

''دیگر فنون لطیفہ کی طرح ناول میں بھی زندگی کا نقشہ ہونا چاہئے
اور جتنا جیتا جاگتا یہ نقشہ ہوگا ناول اتنا ہی زیادہ کامیاب ہوگا۔
ناول نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے تجربات ہی کا بیان
ناول میں کرے اور زندگی کے انہیں افراد کا نقشہ کھینچے جن کی بات

وہ پوری واقفیت رکھتا ہو۔''11؎

اس بیان کی روشنی میں اگر ہم ناول ''مہاماری'' کی کردار نگاری کا جائزہ لیں تو ہمیں یہ نتیجہ اخذ کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگتی کہ ناول نگار نے ناول ''مہاماری'' میں انہیں کرداروں کو جگہ دی ہے جن کرداروں سے وہ پوری طرح واقف ہیں۔

ناول ''مہاماری'' میں کردار کثیر تعداد میں ہیں۔ ہر کردار اپنی ایک الگ شناخت رکھتا ہے۔ ہر کردار متحرک اور جیتا جاگتا نظر آتا ہے۔ ناول ''مہاماری'' کے کردار فہیم الدین شروانی، جسیم الدین ، ماں، ڈھان چو، زرینہ، حاجی برکت اللہ، مقامی ایم۔ایل۔اے کمل ناتھ منڈل، جونیر انجینئر رمیش یادو، چیرمین چمن لال چنچل، رام چرتر پاسبان، حسن گنج کا ایم۔ایل۔اے کملیش درپن، مسز چگانی، سی۔ام مسیحا، سی۔ایم۔صیاد، سلطان حیدر جوشی وغیرہ متعدد کردار ہیں۔ جن میں بعض اہم اور متحرک ہیں تو بعض غیر اہم۔

ان میں بعض کردار ایسے ہیں جو ظلم و جبر کا مظاہرہ کر کے دہشت کا احساس پیدا کرتے ہیں۔ ناول میں بیشتر کرداروں کا تعارف ان کی حرکات وسکنات، سرگرمیوں، بے ضمیری، بے حسی کے حوالے سے ہوتا ہے۔ اگر اس کے علاقائی رنگ فراموش کر کے پڑھا جائے تو کردار ہمیں اپنے آپس میں دکھائی دیتے ہیں اور ان کے وجود میں پورے ہندوستان کا دل دھڑکتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور اپنا تاثر قاری کے ذہن پر چھوڑ جاتا ہے۔ شموئل احمد کو کرداروں کو پیش کرنے کا ملکہ حاصل ہے۔ انھوں نے کمل ناتھ منڈل کا حلیہ کچھ اس طرح بیان کیا ہے؛

''کمل ناتھ منڈل مقامی ایم۔ایل۔اے تھا۔ ناخن بڑھا کر رکھتا

تھا۔اس کا چہرہ الٹے مثلث کی طرح تھا۔ پیشانی سپاٹ تھا اور
چہرے کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں ۔جو ایک ڈھلان کے ساتھ
اچانک ٹھڈی پر ختم ہوگئی تھیں ۔ہاتھ بالوں سے بھرے ہوئے
تھےاورانگلیاں کیکٹس کی شاخوں کی طرح نوک دارتھیں ۔میٹنگ
میں اس کی زبان لپلپاتی اور آنکھیں ہیرے اگلتیں .....وہ
ایک ایک افسر کو گھور کر دیکھا۔ان کے کاموں کا لیکھا جوکھا مانگتا
اور بھینٹ کا فرمان جاری کرتا ہے۔''12

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ واقف ہوتا ہے کہ اس طرح کی سراپا نگاری کی مدد سے ایک جیتی جاگتی تصویر قاری کے تصور کے روبرو کھڑی ہوجاتی ہے۔

فہیم الدین شروانی

فہیم الدین شروانی ناول کا مرکزی کردار ہے۔شروانی کا کردار پوری کہانی پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ ایک مکمل کردار ہے۔اس ناول میں شروانی کا بچپن جہاں سون پور کے میلے سے اپنی سادہ مزاج اور محبت بھری ماں کے ساتھ جھریلا پامرین خریدتا ہے ۔جوانی بھی ہے جہاں انجینئرنگ کی تعلیم پاتا ہے۔شادی ہوتی ہے۔ بے روزگاری کے دن دیکھتا ہے۔ بیوی سے جدائی کا غم بھی لیتا ہے۔نوکری ہوجاتی ۔شروانی واٹر ریسورسز ڈپارٹمنٹ کے ایکزیکوٹو انجینئر بن جاتا ہے۔شروانی سیاست دانوں اور سرکاری مشنریوں کے درمیان پیستا رہتا ہے مگر فہیم الدین کی دوراندیشی اور معاملہ فہمی ان تمام معاملات

سے سر کر لیتی ہے۔شروانی دفتر کے اسٹور کیپر اور جے۔ای سے لیکر ٹھیکہ دار تک نپٹتا ہے۔سیاسی گرگے چندہ لینے آتے ہیں تو یہ کسی کو تھپڑ رسید کرتا ہے تو کسی کو کرتا پائجامہ خرید دیتا ہے،چپل دلاتا،ٹھنڈا پلاتا ہے اور گھڑی کی مرمت کے لیے سو روپیہ نکال کر دیتا ہے اور اپنا بنالیتا ہے۔

فہیم الدین کا تعلق ایک مخصوص فرقہ کے دانشور طبقہ سے ہے۔یہ وہی طبقہ ہے جس کی بے حسی، بے صبری اور اونچے عہدے تک پہنچنے کی ہوس نے صیاد کے سامنے یوں فرقہ کو بونا کر دیا ہے۔اقتباس ملاحظہ کریں؛

''تم ہمیں کو پانی نہیں دوگے .....؟ ہمیں کو .....؟
پانی.....پانی کیا چیز ہے حضور .....؟ آپ خون
مانگئے .....ہم خون دیں گے .....!شروانی کے منھ سے
برجستہ نکلا۔''13؎

فہیم الدین شروانی اچانک نوکری سے استعفیٰ دے کر لاکھوں کے سودے پر ایم۔ایل۔سی کی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔

ڈھان چو

ڈھان چو اس ناول کا اہم اور جاندار کردار ہے۔ڈھانچو فہیم الدین کا بڑا بھائی ہے وہ حضرت ڈھان پیر کے فیض سے تولد ہوا۔دادا نے اس کا نام حضرت ڈھان پیر کے نام پر ڈھان چو کے لقب سے رکھا۔اس ناول میں ڈھان چو کا کردار بے حد معصوم ہے۔ڈھان چو عجیب وغریب شخصیت کا

مالک ہے۔ ڈھان چو اس ناول میں صاحب کشف اور صوفی صفت دکھایا گیا جس کی مثال مندرجہ ذیل کے اقتباس میں ملتی ہے۔

''ہوا یہ کہ ایک دن جب دفتر کے لیے نکل رہے تھے تو ڈھان چو نے مکھی پکڑی۔

ابا.....ابا.....تمہارا بیگ چوہا کتر گیا.....''

''بے ہودہ!

جسیم الدین نفرت سے بڑبڑاتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔اصل میں ان کے پاس ایک چرمی بیگ تھا، جسے لے کر وہ دفتر جاتے تھے اور کچھ فائلیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں چاندی طبق لپٹی ہوتی ہے ۔ مثلاً اساتذہ کے تبادلے ..... مدرسے کی گرانٹ.....فنڈ.....!

وہ دفتر سے گھر آتے تو بیگ کا پیٹ پھولا ہوتا.....اس دن سکشن آفسر نے فائلیں سیدھی ڈائریکٹر کے پاس بڑھادیں۔وہ پچکا ہوا بیگ لے کر آئے۔''14

اس ناول میں ڈھان چو کا کردار ابنارمل دکھائی دیتا ہے وہ اکثر مراقبے میں رہتا ہے۔مولانا رومؔ کی مثنویاں، تاریخ کی ضخیم کتابیں وغیرہ پڑھتا ہے۔ڈھان چو کی نظر ہمیشہ مستقبل پر رہتی ہے اور اس کی آنکھوں سے شموئل احمد آنے والے حالات کا منظر اپنے قارئین کو دکھاتے ہیں۔ڈھان چو کے

کردار میں پیشن گوئی کا وہ ہنر ہے جو مستقبل میں ہونے والے واقعات وحادثات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔اس کی کہی ہوئی باتیں خط تقدیر کی طرح ثابت ہوتی ہیں۔رمز وکنایہ میں اپنی باتیں بیان کرنے کا ہنر بھی رکھتا ہے۔ڈھان چو ایک بار گاندھی جی کی مورتی کے سامنے مستقبل کا سچ اگل دیتا ہے۔

''سابرمتی کا پانی لال ہوا.....

گاندھی! تیرا ایک قتل اور ہوا.....!''15؎

دوسرے دن گودھرا کا واقعہ پیش آتا ہے۔گجرات کی سرزمین لال ہوتی ہے اور یہ بات اسی طرح پھیلتی ہے کہ ڈھان چو نے واقعات کے ہونے کا ذکر قبل از وقت کر دیا تھا۔ڈھان چو کو سکیورٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کیا جاتا ہے۔کشمیر آتنک وادی اور پارلیامنٹ پر حملہ کرنے والوں کے گروہ کا نمائندہ ٹھہرایا جاتا ہے۔اس معصوم پر ظلم وستم ڈھائے جاتے ہیں۔گھونسوں،لاتوں کی مسلسل بارش ہوتی ہے۔ڈھان چو حوالات میں ہی دم توڑ دیتا ہے۔اس طرح سے یہ ڈھان چو کا کردار ایک المیہ ہے۔

جسیم الدین

جسیم الدین،فہیم الدین شروانی کا باپ ہے۔جسیم الدین ایک ضدی ایجوکیشن آفیسر ہے۔اس کردار کو شموئل احمد نے جسیم الدین کے نام سے کم اور ویلن کے نام سے زیادہ پیش کیا ہے۔اقتباس ملاحظہ کریں؛

''گھر میں باپ کا رول اکثر ویلن کا بھی ہوتا ہے۔اس کے ڈوز

اورڈونٹس.....''16؎

اس اقتباس کے مطابق گھر میں باپ کا رول اکثر ویلن کا ہوتا ہے اس لیے شموئل احمد نے جسیم الدین کو ویلن سے تشبیہ دی ۔جسیم الدین کے افعال اس کے ویلن ہونے کا ثبوت دیتے ہیں ۔اقتباس ملاحظہ ہو؛

''سن لوفہیم !تم اب زرینہ سے کبھی نہیں ملو گے ..... نہ ہی وہ اس گھر میں آئے گی .....تم اسے طلاق نہیں دو گے.....!

کچھ سن رہے ہو.....؟؟ ویلن پوری شدت سے چلایا ۔شروانی کے سینے میں درد کی ایک پرزور لہر اٹھی ۔ان کو لگا کہ وہ غش کھا کر گر پڑیں گے.....

تم میری اولاد ہو..... میں نے تمھیں پیدا کیا .....کیا تم میرے سینٹی منٹ کا خیال نہیں رکھو گے.....؟؟''17؎

جسیم الدین کے افعال اس کے ویلن ہونے کا ثبوت دیتے ہیں وہ اپنی ذاتی دشمنی کا بدلہ لینے کے لیے اپنے بیٹے شروانی کو اس کی بیوی زرینہ سے جدا کر دیتا ہے ۔اس کے علاوہ جسیم الدین کو اپنے بڑے بیٹے ڈھان چو سے نفرت ہے اور اس کے ساتھ سختی سے پیش آتا ہے ۔

حاجی برکت اللہ

حاجی برکت اللہ شروانی کا سسر اور زرینہ کا باپ ہے ۔یہ کردار لالچی اور مفاد پرستی کی ایک

اچھی مثال ہے۔ پہلے یہ کاروبار کرتا تھا۔فساد زدہ افراد کی امداد کے لیے قائم کئے گئے ریلیف فنڈ کی برکت سے حاجی برکت اللہ نہ صرف دولت مند بن جاتا ہے بلکہ سیمنٹ کا بڑا تاجر بھی۔جسیم الدین بھی اس کا شکار بن جاتا ہے۔دونوں کی دوستی رنگ لاتی ہے اور جسیم الدین کا چرمی بیگ نوٹوں سے پھولتا جاتا ہے۔یہاں تک کہ نوبت اینٹی کرپشن کے چھاپے تک پہنچ جاتی ہے۔وہ دولت سے بھرا ہوا سوٹ کیس حاجی برکت کے پاس اس تاکید سے رکھ دیتا ہے کہ بعد میں لے جائے گا لیکن حاجی برکت اپنی بیٹی کا خیال نہ رکھتے ہوئے پیسوں سے بھرے سوٹ کیس کو صاف غٹک جاتا ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زرینہ اپنے میکے میں ہی رہ جاتی ہے۔

کمد چگانی

کمد چگانی ناول ''مہاماری'' کا نسوانی کردار ہے۔یہ کردار متحرک ہے۔کمد چگانی اکنامکس کی ذہین طالبہ تھی۔طالب علمی کے زمانے سے ہی اس کی دلچسپی سیاست میں تھی جس کے باعث وہ اسٹوڈینٹ یونین کی جنرل سکریٹری بھی منتخب ہوئی۔کالج سے نکلنے کے بعد اس نے اپنے آپ کو ساکچھر تا ابھیان سے جوڑ لیا۔اس کے بعد مکتی مورچہ کی رکن بن گئی۔آہستہ آہستہ سیاسی رہنماؤں سے ملاقاتیں ہوئیں اور سب سے شناسائی بڑھنے لگی کمد چگانی کے جو سچے،حقیقی،ایماندارانہ خواب تھے جن کو سیاسی اقتدار کی حرص نے اپنے پیروں تلے روندا۔اس کی حرص کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی زندگی میں سیاست اور سیکس گڈمڑ گئے اور وہ سلبھ شوچالیہ منتری پھر پیٹرول منتری بن جاتی ہے۔

شموئل احمد کو نفسیات سے بھی خاصا شغف حاصل ہے لہٰذا انھوں نے کمد چگانی کے کردار میں

اپنی کمالِ دلچسپی کا اظہار کیا بقول قمبر علی ؛

''ناول ''مہاماری'' میں مکروہ جنسیات کو طنز اور پھانڈ پھوڑ نوعیت
کا دکھایا گیا ہے۔جس سے عام قاری محظوظ ہونے کے بعد نفرت
کا اظہار کرتا ہے۔''18؎

کمد چگانی سے شروانی کو بھی سابقہ پڑتا ہے۔اس کے حسن کا اسیر بن جاتا ہے۔کمد چگانی سے سیاسی منظر اس واقعہ پر حیرت بھی کرتا ہے جہاں پیٹرول منتری کمد چگانی کے پستان میں پیٹرول اتر آتا ہے۔

زرینہ

ناول کے دیگر کرداروں میں ایک کردار زرینہ کا بھی جو ناول کے مرکزی کردار شروانی کی بیوی ہے۔زرینہ خوبصورت ،سلیقہ مند،ہس مکھ،صوم وصلاۃ ، وفا شعار اور تقدس سے آشنا ایک گھریلو قسم کی لڑکی ہے۔وہ اپنی کارکردگی سے شوہر اور سسرال کے ہر فرد کا دل جیت چکی تھی لیکن والد کی مفاد پرستی اور لالچی دماغ کی وجہ سے زرینہ اپنے شوہر اور سسرال سے جدا ہو جاتی ہے۔زرینہ کے کردار کو فلیش بیک کے تحت دکھایا گیا ہے۔

مایا ساہنی

مایا کا کردار باعمل اور متحرک ہے۔مایا شروانی کی پڑوسن اور منھ بولی بہن ہے۔مایا ساہنی کا تعلق بی۔جے۔پی حلقے سے تھا۔مایا کسی جلسے میں تقریر کرتی ہے تو اس کے فرقہ پرست جذبات ابھر

کرآتے ہیں ۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لاوڑ اسپیکر سے آوازیں نہیں بلکہ چنگاریاں نکل رہی ہیں ۔ مایا اپنے حلقے کی فائر برانڈ ہے ۔ بیک ورڈ کے تئیں فاروڈ طبقہ کے لوگوں کا حقارت آمیز رویہ مایا کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے ۔خصوصاً لفظ ''دسادھ'' کی ڈکشنری میں تشریح جس تحقیر وتضحیک آمیز میں کی گئی ہے مایا اس کو ہضم نہیں کر پاتی اور بی ۔ جے ۔ پی سے علیٰحدگی اختیار کر لیتی ہے ۔آزاد امیدوار کی حیثیت سے منوادیوں کے خلاف لڑائی شروع کی ۔ایک دن مایا جلسے میں منوادیوں کے خلاف تقریر کر رہی تھی کہ اچانک زوردار دھماکہ ہوتا ہے اور مایا اپنی جان کھو بیٹھتی ہے ۔

مندرجہ بالا تمام کردار منفرد اور متحرک ہیں ۔ناول ''مہاماری'' کردار نگاری کے حوالوں سے شموئل احمد کی ہنرمندی کا پتا چلتا ہے ۔

مکالمہ نگاری

کردار کو جاننے اور سمجھنے کا سب سے اچھا ذریعہ وہ بات چیت ہے جو کردار آپس میں کرتے ہیں ۔ یہ گفتگو مکالمہ کہلاتا ہے ۔مکالمے ہی سے کرداروں کے جذیات واحساست ناول میں ظاہر ہوتے ہیں ۔مکالمہ نگاری کے فن پر بحث کرتے ہوئے حسن فاروقی کہتے ہیں ؛

> ''مکالمے کے ذریعہ کردار کی خصوصیات نہایت دلچسپ طریقے سے ظاہر کی جا سکتی ہے ۔اچھے مکالمے لکھنا بھی ایک فن ہے ۔مکالمہ لکھتے وقت ناول نگار پورے طور پر ڈرامہ نگاری کے دائرے میں آجاتا ہے ۔اچھا مکالمہ قصے کو ایک روشنی بخشتا ہے اور

ڈرامائی قوت کو ظاہر کرتا ہے۔''19؎

ناول کی سب سے بڑی خوبی اس کے مکالمے ہیں پورا ناول مکالمے کے زور پر قائم ہے۔ شموئل احمد نے منظر نگاری اور جذبات کی باریکیوں میں الجھنے کی بجائے مکالموں کے ٹکراؤ سے ایک ایسی فضا قائم کی ہے جس کے باعث قاری کی زبان سے کبھی آہ تو کبھی واہ نکل جاتی ہے۔خصوصاً مایا ساہنی اور رفہیم الدین کے بیچ ہونے والے مکالمے ناول کی جان ہے۔اقتباس ملاحظہ ہو؛

''کیا پوچھو گی .....یہی کہ مسلمانوں کا صفایا کب ہوگا.....؟''

''اس طرح کیوں کہتے ہو.....؟''

''یہ تم لوگوں کا پرانا سپنا ہے.....!''

''تم بد دماغ لوگ ہو..... !تم لوگوں نے انسانی سماج کو دو حصوں میں تقسیم کیا ..... مسلم اور کافر ..... اور کافروں کے خلاف جہاد کرنا فرض سمجھتے ہو.....!''

تم لوگوں نے تو ہندو سماج کو ہی دو ہی دوخانے میں بانٹ دیا..... فارورڈ اور بیک ورڈ کو بھی کئی خانوں میں تقسیم کیا اور ان کے لیے تمہارے شاستر نے غیر انسانی قانون نافذ کئے..... مایا چپ ہوگئی.....''20؎

دوسری جگہ لکھتے ہیں؛

''کچھ یاد ہے.....؟تم مجھے راکھی باندھی تھی۔''

''بھلا یہ کوئی بھولنے کی بات ہے.....!''

''ایسا تو نہیں کہ وہ دھاگہ اڈوانی کے رتھ میں کہیں الجھ گیا.....؟''

''میں نے تمہیں ہمیشہ بھائی سمجھا.....''

''لیکن میری برادری سے نفرت کرتی ہو.....؟''

''معاف کرنا تم لوگ دیش کے مکھ دھارا میں نہیں ہو.....!''

''یعنی''

''تم لوگ ہجرت پر یقین رکھتے ہو! تمھارے یہاں مادر وطن کا کوئی تصور نہیں ہے۔راشٹریتا کے وکاس کی پہلی شرط ہے۔جنم بھومی کو اپنا ماں سمجھنا اور پوری عقیدت رکھنا۔''

یہ کہنے کی باتیں ہیں۔تاریخ گواہ ہے کہ ہندو کبھی متحد نہیں رہے اور باہر والوں نے حکومت کی۔تمھیں مغل بادشاہوں سے شکایت ہے لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ مسلم شہنشاہوں نے ہندوستان کو اپنا مستقل مامن بنایا اور یہاں کی ریاستوں کو متحد کرنے کی کوشش کی۔ان کے دورِ حکومت میں اونچے عہدے پر ہمیشہ ہندو فائز رہے.....''

''لیکن تم لوگوں نے مندر بھی لوٹا.....!''

تمھیں محمود غزنوی تو یاد ہے لیکن وہ مغل شہنشاہ یاد نہیں جنھوں نے مندر بنوائے اور مسجد میں سنسکرت زبان میں شلوک لکھلوائے.....''

''مثلاً.....؟''

''عادل شاہ نے مسجد بنوائی جس کا شلا لیکھ سنسکرت زبان ہے.....''

''مایا مسکرائی ''بہت جذباتی ہو ۔تمھارے لیے چائے بناؤں.....؟''

''کیوں تکلیف کرتی ہو.....؟''

''اتنے دنوں بعد بھائی جو آیا ہے.....؟''

''بھائی.....؟ یا بند دماغ کا مسلمان.....؟''21

مایا اور شروانی کے درمیان ہوئے یہ مکالمے فرقہ پرستی پر مبنی ہیں ۔جس میں مایا مسلمانوں کے خلاف بولتی ہے تو شروانی اس کو سمجھاتا ہے کہ مسلمان برا نہیں ہے ۔ایک شخص ایسا ہے جس نے مندر لوٹا اور دوسرا ایسا ہے کہ جس نے مندر بنوائے ،مندر میں سنسکرت شلوک لکھوائے ۔ ہندو مسلمان کو متحد رکھنے کی کوشش کی اور ہندوؤں کو اونچے عہدوں پر فائز کیا ۔ان مکالموں میں یہ سمجھ میں آتا ہے ۔انسان کی انسانیت بری ہے ایک شخص کے اندر انسانیت نہیں تھی جو دوسرے کے اندر موجود تھی ۔

شموئل احمد نے اپنے ناول ''مہاماری'' میں انگریزی مکالموں سے بھی کام لیا ہے جس کی مثال ذیل کے اقتباس میں دیکھنے کو ملتی ہے؛

''تم اب اس لڑکی سے نہیں ملوگے ..... یوکین ناٹ ڈوِس..... یوکین نیور..... دس ازمائی سینٹی منٹ.....''مائنڈ اِٹ فہیم .....!دِس از مائی سینٹی منٹ.....''22

ناول ''مہاماری'' مناسب مکالمہ آرائی ہے جو کہیں طویل ہے تو کہیں مختصر ہے۔ مختصر مکالموں کی ایک مثال ذیل کے اقتباس میں دیکھنے کو ملتی ہے؛

''کسم پور میں کتنے چاپانل ہیں.....؟

شروانی نے ڈائری الٹی۔

''گیارہ سو پچپن۔''

'' کتنے بندی ہیں؟

''دوسو دس''

''کب مرمت کیجئے گا؟

''فنڈ نہیں ملا''

''کب جوائن کیا.....؟ کمل ناتھ نے پوچھا

''پہلی تاریخ.....''

''میٹنگ کے بعد بھینٹ کیجئے.....''23؎

طویل مکالموں کی ایک مثال ملاحظہ ہو؛

''ہمیں اپنے براہمن پیدا کرنے ہوں گے۔ایسے ادارے قائم کرنے ہوں گے جہاں دلت طبقہ کو مذہبی تعلیم دی جاسکے..... اسے پروہت بنایا جائے۔معاشرے میں وہ براہمن کا بدل ہو''شروانی ہنسنے لگے۔گویا ایک برہمن واد ختم کرکے دوسرا شروع کیا جائے.....

دلت برہمن واد.....!''

''اور راستہ کیا ہے.....؟ بی۔جے۔پی پھر سے براہمن واد قائم کرنا چاہتی ہے اس لیے آئین میں بدلاؤ کی تجویز بھی رکھنی ہے آئین جاتی پر دھیان نہیں ہے۔اس میں سبھی جاتیوں کا سماویش ہے۔یہی وجہ ہے کہ بی۔جے۔پی سیکولرازم کو بخار سمجھتی ہے.....''24؎

مندرجہ بالا دونوں اقتباسات مختصر اور طویل مکالموں کی مثالیں نمونے کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔ان مکالموں سے اس امر کی صداقت ملتی ہے کہ''مہاماری''میں مکالموں سے بھرپور کام لیا گیا ہے۔مکالمے اختصار کے باوجود پوری طرح مکمل نظر آتے ہیں۔پیش کیے گئے طویل مکالموں سے سیاسی صورت حال پر نظر پڑتی ہے۔

ناول میں مکالموں کے ذریعہ آج کے اکثریت کی ذہنی اور سیاسی صورتِ حال پر بھی طنز کیا گیا جس کی وضاحت ذیل کے اقتباس سے ہوتی ہے؛

''یاد رکھو! ترشول میں خون کے داغ نہیں لگتے.....! تم اگر موب میں ہو اور ہاتھ میں ترشول ہے تو تم کچھ بھی کر سکتے ہو.....تم شکمِ مادر چیر کر بچے کا سر نیزے پر اٹھا سکتے ہو.....''25

اس طرح کے مکالموں کے ذریعہ ناول نگار نے ''مہاماری'' کو وہ مقام عطا کیا ہے جو ادبی دنیا میں ہمیشہ یاد رکھا جانے والا ناول بنانے کام کرے گا۔

منظر نگاری

کامیاب منظر کشی ناول کو دلکش اور پر تاثر بنا دیتی ہے ۔ناول ''مہاماری'' میں شموئل احمد کرداروں کی سیاسی منظر ناموں ، جلسے جلوس ،قدرتی مناظر کا نقشہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ سارا منظر قاری کے سامنے تصویر کی طرح ابھر کر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے بات چاہے فطرت کے حسن کے مناظر کے حوالے سے یا غیر فطری مناظر کی ۔شموئل احمد دونوں پر دسترس رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ناول کے کردار ڈھانچوں کے خواب کے ذریعے علامتی پیرائے اظہار میں ہندوستان کی آزادی کا منظر کچھ اس طرح پیش کیا گیا ہے؛

''ایک خوبصورت پری زنجیروں میں جکڑی تھی ۔دادا تلوار لہراتے

ہوئے آئے۔ پری کی بیڑیاں کاٹیں۔اس کو ریشم سے مبلس کیا۔
ہاتھوں میں کنگن پہنائے۔ گلے میں طوق ڈالا۔ناک میں نتھ اور
کانوں میں جالیاں پہنائیں اور سنہرا تاج سر پر رکھا اور ہاتھ میں
سونے کی چھڑی دی۔ پری گھر گھر جھانکنے لگی۔سب کو باری باری
چھڑی سے چھوتی۔ڈھان چونے دیکھا گاؤں میں کوئی غریب
نہیں ہے۔ بچے کلکاریاں بھر رہے ہیں۔عورتیں ہنس رہی ہیں
۔آدمی بےخوف ہے۔''26؎

مندرجہ بالا اقتباس میں پری کے کردار کے ذریعہ ناول نگار نے غلام ہندوستان سے لے کر آزاد ہندوستان کا نقشہ پیش کیا ہے۔اسے ہم منظر نگاری کے اعلیٰ نمونوں کے زمرے میں پیش کر سکتے ہیں۔ایک جگہ ریلی کا منظر اس طرح دکھاتے ہیں؛

''24/اکتوبر آ پہنچا۔شہر دلہن کی طرح سجا ہے۔خوبصورت ہری
جھنڈیاں ..... دل آویز بلند دروازے ..... ہورڈنگ
اور بڑے بڑے کٹ آؤٹ ..... ہورڈنگ کا سلسلہ ایئر
پورٹ سے ہی شروع ہوگیا ہے۔گاندھی میدان میں منچ کی بھی
رنگائی ہوئی ہے۔بانس اور بلے بھی رنگ گئے ہیں۔دور تک لاوڈ
اسپکر کا جال بچھا ہے۔سبز اور سفید کپڑوں سے بنا ہوا گاندھی
میدان میں اونچا پنڈال ..... اونچے بلوں پر لگے ہوئے

ٹیوب لائٹ.....دکانیں صبح سے ہی بند ہیں۔ جنتا جاگرن منچ کے سبھاپتی نے سائیکل جلوس نکالا ہے۔سبھاپتی نے ہری جھنڈی دکھائی اور جلوس روانہ ہوا۔کرشن روڈ سے نکل کر گاندھی میدان کی طرف بڑھ رہا ہے۔کلاکاروں کی جتھا سنسکرتی پر کوشوشٹھ کے بیز تلے سڑکوں پر تعینات ہے۔کیسٹ زور زور سے بج رہا ہے۔مسیحا کی شکتی بڑھایا کرو۔ریلی میں گھر سے آیا کرو۔''27؎

دوسری جگہ اسمبلی کا ماحول کچھ اس طرح پیش کیا ہے؛

''خبریں نشتر ہونے لگیں تو سب کی توجہ ادھر مرکوز ہوگی اچانک ٹی۔وی اسکرین پر وہ منظر آیا جب اسمبلی میں جوتے چل رہے تھے۔ودھایک آپس میں گتھم گتھا تھا۔کوئی لات چلا رہا تھا،کوئی مکے چلا رہا تھا.....ایک نے کرسی پھینک کر ماری۔دوسرے نے مائک گھما کر پھینکا جو ایک ودھایکہ کو لگا۔وہ زخمی ہوگئی۔اسپیکر کو بھی چوٹ آئی ایک ودھایک ٹیبل پر چڑھ گیا۔دوسرا اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچنے لگا۔کسی کی آستین پھٹ گئی.....کسی کا دامن.....کسی کا گریبان.....ایک کی دھوتی کھل گئی ..... وہ دھوتی سنبھالنے لگا تو ایک ودھایک کا جوتا اس کے سر پر پڑا.....''28؎

ان اقتباسات سے سیاسی منظر نامے جیسے اسمبلی اور ریلی کی خوبصورت منظر کشی کی عکاسی کی ہے۔شموئل احمد سرکاری محکمے سے وابستہ رہے ہیں لہٰذا ان کی چابک دستی یہاں کچھ زیادہ ہی نظر آتی ہے۔ناول ''مہاماری'' میں نہ صرف سیاسی منظر نامے بلکہ قدرتی حسین مناظر کی بھی عکاسی کی گئی ہے اقتباس ملاحظہ کریں؛

''حسن گنج کا علاقہ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں سے گھیرا ہے۔یہاں کوئی ندی نہیں بہتی۔پانی کی سطح زمین سے بہت نیچے ہے۔جس سے کنوئیں اور چاپانل گرمی میں سوکھ جاتے ہیں۔پانی کی ہمیشہ قلت رہتی ہے۔جنوب میں قریب دس کلومیٹر دور ایک اونچا پہاڑ ہے جس کے دامن میں کہیں کہیں گھپائیں بنی ہوئی ہیں۔ان کی دیواروں پر پالی زبان میں عبارتیں کندہ ہیں۔شاید یہاں کبھی بودھ بھکشک رہتے تھے۔پہاڑ کی چوٹی پر ایک پرانا شو مندر ہے۔کہنا مشکل ہے اس کی تعمیر کب ہوئی۔کہتے ہیں حسن کا گداگر مندر کی سڑھیوں پر بیٹھا رہتا تھا۔شیوراتری کے میلے میں ایک بار بہت بھیڑ لگی۔لوگ پیاس سے بے حال ہو گئے۔حسن گداگر نے اپنی ایڑی زمین پر زور سے رگڑی اور چلایا۔

''شنکر اپنی جٹا کھول !کب تک بھکتوں کو پیاسا مارے گا.....؟''

دیکھتے دیکھتے وہاں پانی پھوٹ پڑا۔حسن گداگر کے نام پر علاقے
کا نام حسن گنج پڑا۔چشمہ حال تک جاری تھا۔آزادی کے بعد
ایک بار آر۔ایس۔ایس کا کیمپ لگا۔وہ لوگ پمپ لگا کر پانی اوپر
کھینچنا چاہتے تھے۔اس چھیڑ چھاڑ سے چشمہ سوکھ گیا۔''29؎

ذیل کے اقتباس میں شموئل احمد حسن گنج کا حسن بیان کرتے ہوئے وہاں کے ایک تاریخی مندر کا بھی ذکر کیا نہ صرف ذکر کیا بلکہ حسن گنج کے علاقے کو حسن گنج نام کیسے پڑا۔اس کے پیچھے وجوہات اور تاریخ بیان کی ہے۔اس طرح کے مختلف مقامات پر شموئل احمد نے ناول ''مہاماری'' میں منظر نگاری کے اعلیٰ نمونے پیش کیے ہیں۔شموئل احمد کو منظر نگاری میں ملکہ حاصل ہے جو ان کے ذاتی تجربات ومشاہدات کی مرہونِ منت ہے۔

اسلوب و بیان وزبان

ناول میں اسلوب و بیان وزبان کی خاص اہمیت ہے۔زبان و بیان جتنا پختہ ہوگا ناول اتنا خوبصورت ہوگا اسلوب و بیان وزبان سے مراد بات کہنے کے ڈھنگ سے ہے۔اسلوب وزبان و بیان کی تعریف کو بیان کرتے ہوئے علی عباس حسینی لکھتے ہیں؛

''اسلوب بیان سے مراد کہنے کے ڈھنگ اور تحریر کے طرز سے
ہے یہ چیز تو کچھ فطرت سے ملتی ہے ذالک فضل اللہ یعنی من یشاء
کچھ خود حاصل کرنے سے آتی ہے۔''30؎

شموئل احمد کے یہاں اسلوب وزبان بیان کا فن خوب ہے۔ یہ انھیں فطرت نے عطا کیا۔ چوں کہ ناول ''مہاماری'' کا موضوع سیاست پر مبنی ہے۔شموئل احمد کو سیاسی میدان سے گہرا رشتہ ہے۔ انھوں نے اس ناول میں سیاسی عہدوں میں ہونے والی سیاست ،عہدِ داروں کی فریبی ،کرپشن زدہ نظام ،حقائق کی ننگی اوران سچی عکاسی کی ہے۔اسلوب وزبان وبیان کا حسین پیکر شموئل احمد کے ذاتی تجربات ومشاہدات کی دین ہے۔جس کی مثال ذیل میں ہے؛

> ''سی،ایم کمپاؤنڈ میں جب درختوں کے پتے زرد ہونے لگتے ہیں تو مسیحا ریلی منظّم کرتا ہے۔
>
> اور اسٹیٹ میں خزاں کی آمد ہے مرکز میں زمین سخت ہے اور آسمان سرخ .....مخالف سمت سے آنے والی ہواؤں میں شورش بڑھ گئی ہے۔رہ رہ کر سیاہ بادل منڈلانے لگتے ہیں۔ایسے میں ضروری ہوا کہ مسیحا اپنے بازوؤں کی ابھری ہوئی مچھلیوں مظاہرہ کرے.....مسیحا نے غریب اور پچھڑے طبقے کی مہاریلی بلائی ہے۔''31

ناول نگار نے استعارے اور کنائے کے پردے میں اسلوب وزبان وبیان کو پیش کیا جس کی مثال مندرجہ بالا اقتباس میں صاف جھلکتی ہے۔

صوبہ بہار کی سیاسی فضا کا نقشہ کھینچتے ہوئے ناول نگار نے علاقائی زبان کو بھی اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے جو مندرجہ ذیل اقتباس میں ملتی ہے؛

''لفظوں کی بھی اپنی کیفیت ہوتی ہے............دھاکڑ............

دگج............دھرندر............دقاق............!''32

دوسری جگہ لکھتے ہیں؛

''کملیش درپن کو اسی بات سے چڑھ ہے............سالے! نیتا

کیوں بنتے ہو............؟افسر ہو............افسر رہو............!

لومڑ............گھامڑ............تھپتھر............لڑبھس......!''33

اس ناول میں ہندی اصطلاحات والفاظ کا بھی بھرپور استعمال کیا گیا ہے۔اقتباس ملاحظہ ہو؛

''کمد جی! لوک تنتر میں سب چلتا ہے............ خاص کر کاوس

شیل دیشوں میں ....لوک تنتر میں کچھ نہیں بدلتا ....

صرف نعرے بدلتے ہیں............غریبی ہٹاؤ کا نعرہ سماج واد میں

بدل گیا۔آج سماج واد کی جگہ سماجک نیائے نے لے لی ہے ۔

غریبی ہٹ نہیں سکتی ....سماج واج بھی کھنڈت ہوا............

سماجک نیائے بھی نہیں ملے گی .... یہ محض شبد جال ہیں جن

میں جنتا پھنسی رہتی ہے............ویوستھا کوئی بھی ہوشوشن ہمیشہ

عام آدمی کا ہوتا ہے .... سرکار ہمیشہ اینٹی پینل ہوتی

ہے۔راج نیتی نعروں کی شکتی سے چلتی ہے۔لوک تنتر میں ضروری

ہے کہ ہم نئے نئے شبد جال رچیں۔''34

اسی طرح اس ناول میں بہت سے ہندی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں مثلاً بھینٹ ،سماجک نیائے ،شبد جال ،شوشن ،ادبھت ،شکتی ، پردرشن ، جنتا ، یاترا ،چھیتر وغیرہ جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں ۔اس کے باوجود زبان و بیان واسلوب کی سلاست مجروح ہوتی ہوئی نہیں دکھائی دیتی ۔

ناول ''مہاماری'' میں شموئل احمد اپنے کرداروں کے ذریعے ناشائستہ الفاظ بھی ادا کروائے ہیں ؛

''اور مادر چود تم کیا کرتے ہو.....اکسٹھ باسٹھ.....؟؟''35

''حرام زادہ بلیک میل کرتا ہے.....''36

''کہاں گیا ڈی ،ایم .....بی ،ڈی ،او.....ڈی ،ڈی ،سی .....؟

سالا.....کتا.....نکما.....حرام خور.....؟؟37

اس کے علاوہ اس ناول میں محاوروں کا بھی خوب ہوا ہے مثلاً فضا میں سانپ سونگ گیا، قاضی کے گھر کا چوہا بھی قاضی ہوتا ہے ،ملا کی دوڈ مسجد تک ،بارات گھر آئی تو چلے ہیں کدو روپنے ،مولی اکھاڑنا، دودھ شکر کی طرح گھلنا وغیرہ سے شموئل احمد نے ناول کے اسلوب ،زبان و بیان میں رنگ بھر دیا ہے۔

زماں ومکاں

ناول ''مہاماری'' کا ماحول صوبہ بہار کا ہے۔ جہاں کی حکومت 'مائی سمیکرن' ہے یعنی مسلم یادو سمیکرن اس کی مثال ذیل کے اقتباس سے ملتی ہے ؛

''آپ کو یہاں پریشان نہیں ہوگی سر.....!''

''کیوں.....؟''

اسٹیٹ میں مائی کا سمیکرن ہے..... مائی میں بھی پہلے ''ایم'' ہے

پھر ''وائی'' پہلے آپ ہی ہیں پھر ہم لوگ.....!''

وہ تو ہے.....!'' شروانی مسکرائے تھے۔

''یہاں زیادہ تر ودھا یک مائی والے ہیں ۔لیکن رام چندر بھا

بی، جے، پی کے ہیں اور کملیش در پن بھی ورودھی دل کے ہیں۔''

پھر رمیش یادو راز درانہ لہجے میں بولا تھا۔

''بڑا بابو سے ہوشیار رہئے گا.....!''

''کیوں.....؟''

''برہمن ہے.....''

شروانی کو اچھا نہیں لگا کہ ایک جونیئر انجینئر اس طرح ذات پات

کی باتیں کرے۔''38

موجودہ سیاست بڑی بھیانک ،شاطر ، چالباز، انسانِ دشمن اور ہلاکت آفرین ہے ۔اس سیاسی نظام میں ایک کسی قدر مجبور ہو جاتا ہے تو دوسرا کتنا طاقتور بنتے نظر آتا ہے۔جس کو شموئل احمد پٹہ اور زنجیر سے تشبیہہ دی۔

ناول ''مہاماری'' میں مذہب سیاست بنتے دکھائی دیتا ہے۔ ہندو اور مسلم نے اپنی اپنی دہائی

دیتے ہوئے ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں ۔جمہوری نظام کی خصوصیت یہ ہے کہ جب انتخابی مہم آہستہ آہستہ عروج پر پہنچتی ہے تو فرقہ پرستی کا رنگ غالب ہونے لگتا ہے ۔الیکشن کے موقعے پر ایک سیاسی حکمران تقریر کرتا ہے اقتباس ملاحظہ ہو؛

''مسلم الگاؤ وادی ہوتے ہیں ۔یہ ہندوؤں کو کافر سمجھتے ہیں ۔مسلم سماج کی ایک متر چنتا اپنی الگ پہچان کی رکچھا کرنا ہے یہ پریوار نیوجن نہیں کراتے اور اسی طرح اپنی سنکھیا بڑھاتے ہیں ۔انھیں بندے ماترم شبد سے گھیرنا ہے ۔آتنک واد بڑھ رہا ہے ۔اس لیے بندھو! گرو سے کہو ہم ہندو ہیں ایک جٹ ہوجاؤ اور اپنی سرکار بناؤ.....''39؎

دوسرا اقتباس ملاحظہ ہو؛

''بابری مسجد شہید ہوئی تو ہم نے غم میں آپ کا ساتھ دیا۔غریب اور دلت طبقے کو اوپر اٹھانے کے لیے ہم نے کئی کام کئے لیکن منووادی طاقتیں ہمیشہ رکاوٹ بنتی رہیں ۔بی ، جے ، پی ہندو کرم کانڈ لاگو کرنا چاہتی ہے ۔اس کا مطلب اندھ وشواس اور روڑھ واد کو مضبوط کرنا ہے ۔اس لیے بی ، جے ، پی شور اور پچھڑی جاتی کو ایندھن کے روپ میں استعمال کرے گی ۔بھائیوں !میں کہنا چاہتی ہوں کہ کانگریس بھی فاسسٹ جماعت ہے ۔کانگریس ،

بی، جے، پی سے زیادہ ہندووادی ہے۔آپریشن یلواور رام جنم
بھومی شیلا نیاس اس کی تازہ مثالیں ہیں.....!''40

شموئل احمد دور حاضر کی سیاست کا نقشہ کھینچتے ہوئے ملکی سطح پر پھیلی ہوئی اس عظیم سیاسی مہاماری کا خوبصورت منظر پیش کیا ہے۔جس میں عام وخاص دونوں کو اپنے چنگل میں پھنسا رکھا ہے۔ویسے ناول بہار کی فرقہ پرست سیاست کا ہے مگر جس طرح حالات پیش کیے گئے ہیں جن سے پورے ہندوستان کی سیاست کا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اس طرح ناول کا ماحول ملک کی گندی سیاست کی مثال ذیل ہے؛

''ہندوستان کا اصل مسئلہ ہے روٹی۔روٹی کو الیکشن کے نعرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔اندرا گاندھی نے جب کہا کہ غریبی ہٹاؤ تو مطلب تھا روٹی دو۔1990 میں اڈوانی نے رتھ یاترا کی کامیابی حاصل کی اور جواب میں وی، پی نے منڈل چلایا اور ثابت ہوگیا کہ اصل مسئلہ روٹی ہے رام نہیں۔اس لیے بی، جے، پی اب رام کو روٹی سے جوڑتی ہے۔''

''اور کانگریس.....''

'' کانگریس تو ٹوٹ پھوٹ گئی .....اب تین چار سال پاور میں نہیں آسکتی.....''

''راج نیتی میں اپرادھ بھی تو بہت بڑھ گئے.....''

''کیا کیجئے گا.....ہم لوگ جوگرگے پالتے ہیں وہ پہلے روٹی مانگتے تھے.....اب ٹکٹ مانگتے ہیں.....چمن لال چنچل مسکرایا۔''41؎

سیاسی عہدار ایسے منصوبے بناتے ہیں جس میں عوام یا کسی علاقہ یا ملک کا نہیں بلکہ خود کا اپنا فائدہ وترقی ہو۔اس کی ایک مثال جل مینار کا شیلا نیاس ہے۔جل مینار کا شیلا نیاس ایک یوجنا ہے جو حسن گنج میں منعقد ہونے والا ہے۔اس یوجنا کا ریہ کرم کی منظوری نہیں دی گئی تھی۔منظوری تو دور کی بات وہاں کوئی واٹر سپلائی اسکیم ہی نہیں تھی اور واٹر ٹاور ہی موجود ہی نہیں تھی جس کی پیشگی رقم کی عرضی دی گئی تھی اس کے علاوہ ایک اور مثال اقتباس میں دیکھئے؛

''ابھی بھی کچھ گاؤں ایسے تھے جہاں ایک بھی سرکاری نل نہیں تھا۔ یہ وہی گاؤں تھے جہاں ایم،ایل،اے کا کوئی ووٹر نہیں تھا۔''42؎

مندرجہ بالا اقتباس سے سیاسی عہداروں کی مفاد پرستی کا عمدہ نمونہ ہے اس ناول میں موجود واقعہ یا واقعات ہیں جن میں کرپشن سیاسی عہداروں کا سمبل بنتے دکھائی دیتا ہے۔آج ناول میں سچویشن کو اولیت حاصل ہے۔''مہاماری'' اس کی اچھی مثال ہے۔

فلیش بیک،تکنیک

ناول ''مہاماری'' میں فلیش بیک تکنیک کا استعمال ہوا ہے۔فہیم الدین کا ماضی کا عکس پیش

کرتے ہوئے کردار کے حال کی شخصیت کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے اقتباس ملاحظہ ہو؛

''وہ شروع شروع کے دن تھے .....شروانی نے انجینئر کی
ڈگری حاصل کی تھی اور ویلن نے اس کا رشتہ زرینہ سے طے کر دیا
تھا۔زرینہ حاجی برکت اللہ کی اکلوتی لڑکی تھی لیکن شروانی کو رشتہ
پسند نہیں تھا۔وہ تعلیم یافتہ گھرانے میں شادی کرنا چاہتے تھے اور
حاجی برکت اللہ کاروباری قسم کے آدمی تھے۔''43؎

اس طرح فہیم الدین کی شادی سے لے کر ان کی بیوی سے جدائی تک واقعہ فلیش بیک تکنیک میں دکھایا گیا ہے۔فہیم الدین کے عہد طفلی کے متعلق ڈھان چو کا بچپن وغیرہ بھی فلیش بیک میں دکھایا گیا ہے۔اس کے علاوہ ناول کا نسوانی کردار مسز چگانی کا واقعہ بھی فلیش بیک تکنیک کے تحت دکھایا گیا۔مسز چگانی کے سیاسی نمائندگی کا رول فلیش بیک تکنیک کے ذریعے کچھ اس طرح واضح کیا ہے کہ ماضی اور حال کے درمیان کی کڑیاں مربوط نظر آتی ہیں۔جس کی مثال ذیل کے اقتباس سے ملتی ہے؛

''مسز چگانی ہمیشہ سے ایسی نہیں تھی۔اگرچہ طالب علمی کے
زمانے سے ہی ان کی دلچسپی سیاست میں تھی لیکن سیاست اور
سیکس اس طرح گڈمڈ نہیں تھے۔ان دنوں وہ کمد ٹرکی ہوا کرتی
تھیں۔اکنامکس کی ذہین طلبہ.....ایک بار یونی ورسٹی سمینار
میں انھوں نے نظام تعلیم پر زور دار تقریر کی تھی۔تقریر کا لب

ولباب یہ تھا کہ آزادی کے بعد نظام تعلیم درہم برہم ہوگیا ہے جس
کے ذمہ دار ہمارے سیاسی رہنما ہیں ۔آزادی سے پہلے ہمارے
یہاں جگدیش چندر بوس ،سی وی رمن ،میگھ ناتھ ساہا اور بیربل
سہانی جیسے سائنس داں پیدا ہوئے تھے جن کی بین الاقوامی
حیثیت تھی ۔لیکن یہ روایت آزادی کے بعد ختم ہوگئی ۔نت نئے
نئے تجربے کے شوق نے نظام تعلیم کو نیست ونابود کر دیا ۔آج
سرکاری اداروں میں تعلیم کے نام پر استحصال ہے۔''44

ان اقتباسات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شموئل احمد کا ناول ''مہاماری''،فلیش بیک تکنیک کے اعتبار سے اردو کے بہترین سیاسی ناولوں میں سے ایک ہے۔

فلیش بیک تکنیک کے علاوہ اس میں شعوری رو کی تکنیک کا بھی استعمال کیا گیا ہے ۔فہیم الدین شروانی کے سیاسی تخیل کو شعور کی رو کی تکنیک میں پیش کیا گیا ہے جس کی مثال ذیل کے اقتباس میں ملتی ہے؛

''یہ غیر مفتوج لوگ ہیں شروانی نے سوچا جمہوریت کے ناخدا
یہ.....مالک ہیں ہم غلام ہیں ۔حوالہ کانڈیا چارہ گھوٹالہ مالک
عدالت سے ہمیشہ بری ہوجائیں گے انھیں مجرم قرار نہیں
دیا جاسکتا انھیں ہَوا بھی چھوکر نہیں گزر سکتی ۔اماں کہیں ہے تو یہیں
ہے ۔عام آدمی موجودہ نظام میں محفوظ نہیں ہے لیکن سیاسی

نمائندے محفوظ ہیں ۔ایک ارب آبادی والے نظام جمہوریہ کا بلند
وبالا مینار شروانی کی نگاہوں کو خیرہ کررہا تھا کسی طرح رسائی ہو
جاتی پھر تو ہاتھ میں زنجیر ہوگی اور پٹے میں ہندوستان بس ہاؤس
میں انٹری چاہئے ۔''45

شموئل احمد نے اپنے ناول ''مہاماری'' شعور کی رو کی تکنیک کا استعمال کرداروں ،فطرت ،ان کی نفسیات اور ذہنی کش مکش کو سمجھانے کے لیے کیا ہے ۔شموئل احمد نے کرداروں کی ذہنی فضا ان کی داخلی دنیا کو اس طرح شعور کی تکنیک کا استعمال کرتے ہوئے پیش کیا ہے کہ کرداروں کے ظاہری وباطنی خیالات واحساسات کھل کر سامنے آگئے ہیں ۔

نظریۂ حیات

شموئل احمد چوں کہ چیف انجینئر کے عہدے پر فائز رہتے ہوئے سیاست کو کافی نزدیک سے دکھا، جانا اور سمجھا ہے لہٰذا تمام تجربات ومشاہدات کی روشنی میں انھوں نے ناول ''مہاماری'' میں اپنا نظریۂ حیات پیش کیا ہے جس کی مثال ذیل کے اقتباس میں ملتی ہے ؛

''کرانتی نہیں آسکتی .... جب تک لوک تنتر ہے کرانتی نہیں
آسکتی ....سارا آندولن اسی طرح مرجائے گا ....
آزادی سے پہلے کرانتی آئی تھی تو اس کا کارن تھا ۔ہم غلام تھے
اور آزاد ہونا چاہتے تھے ۔اب ہم آزاد ہیں تو ہمیں ستا چاہئے ۔

اس لیے ہم اپنے اپنے پلیٹ فارم سے ستا ہوڑ میں لگے ہیں، ستا
سے پیسہ ملتا ہے اور پیسے سے ستا ملتی ہے۔''46

شموئل احمد نے ناول کے کردار ڈھان چو کے ذریعے دور حاضر میں ہو رہے مسلم نوجوانوں کی گرفتاریوں جن کی وجہ سے بغیر کسی ثبوت کے آئی، ایس، آئی کا ایجینٹ قرار دیا جاتا ہے۔ ہندوستان کی سیاسی بدحالی اور لاقانونیت کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے شموئل احمد نے اپنے نظریے کی وضاحت اس طرح کی ہے؛

''تم جانتے تھے کہ گودھرا میں کیا ہونے والا ہے؟''

ڈھان چو خاموش رہا۔

''اپنی پسند ناپسند کے بارے میں بتاؤ.....!''

کون سا رنگ پسند ہے.....؟

''رنگ.....؟''

''ہاں!''

ڈھان چو سوچنے لگا۔

''گلابی..... پنڈت نہرو گلاب کا پھول پسند کرتے تھے۔''

''یہ نہرو جی کی رنگ پسند ہوئی.....!''

''مجھے بھی گلابی رنگ پسند ہے.....''

''کوئی اور رنگ.....؟''

''پیلا رنگ بھی اچھا لگتا ہے۔''

''اور.....؟''

ہرا رنگ بھی پسند ہے.....!''

ہرا رنگ .....؟ سالا پاکستانی ایجینٹ ..... ہرا رنگ پسند کرتا ہے بہن چود.....!'' ڈی، ایس پی نے ڈھان چو کے پیٹ پر کس کے ایک لات جمایا.....دھاپ! اور پھر لاتوں اور گالیوں کی بارش شروع کردی ..... سالا.....دھاپ.....دھاپ.....دھاپ..... پاکستانی ٹیریریسٹ ..... دھاپ .....دھاپ ..... آتنک پھیلائے گا ..... سالا..... پارلیا منٹ پر حملہ..... لال قلعہ پر چھنڈا ..... دھاپ ..... دھاپ..... ہرا رنگ بہن چود.....آتنک وادی.....''

گھونسوں اور لاتوں کی مسلسل بارش.....!!

صبح تک ڈھان چو نے دم توڑ دیا.....''47

اس طرح ناول ''مہاماری'' میں مختلف مقامات پر کرداروں اور مکالموں کے ذریعے ناول نگار نے اپنا نظریۂ حیات پیش کیا ہے۔

مختصر یہ کہ اس ناول میں ایسے واقعات پیش کیے گئے ہیں جن سے ہمیں کرپشن سیاسی

عہدداروں کا سمبل بنتے دکھائی دیتا ہے۔اب سیاسی ریا کاریاں اورفرقہ پرستی کسی ایک جگہ تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ گاؤں، دفتر دفتر، کالج، یونی ورسٹیوں تک پہنچ چکی ہے۔ ہرجگہ رواں دواں دکھائی دیتی ہے۔اس لیے اس موضوع کا مطالعہ نہایت اہم ہے۔اس موضوع کے پس منظر میں ہم کو ایک سیاہی نظر آتی ہے جس کو ہم کہیں بھی ملک کے کسی بھی کونے میں دیکھ سکتے ہیں۔اسی ناول کے ذریعے شموئل احمد ایک بڑی حقیقت سے آگاہ کروانا چاہتے ہیں یہ کہتے ہوئے شموئل احمد؛

ہند صدیوں کی غلامی سے تو آزاد ہوا

تم بھی آزاد ہوئے اہلِ وطن سے پوچھو

اس ناول کو عوام کے نام انتساب کردیا۔سیاسی موضوعات پر لکھے جانے والے ناولوں میں یہ اچھا اضافہ ہے۔

حوالہ

(1) براہِ راست از گلزار جاوید، مشمولہ چہارسو، جلد 23 شمارہ جنوری، فروری 2014، ص 16

(2) سوالنامہ، شمول احمد

(3) مہاماری، ص 5

(4) براہِ راست از گلزار جاوید، مشمولہ چہارسو، جلد 23 شمارہ جنوری، فروری 2014، ص 16

(5) شموئل احمد اور القمبوس کی گردن از اقبال حسین آزاد 'مشمولہ نیا ورق' شمارہ سہ ماہی 2006، ص 128

(6) مہاماری کی کیمسٹری اور فیل گڈ از ڈاکٹر قمبر علی 'مشمولہ چہارسو' جلد 23 شمارہ جنوری، فروری 2014، ص 137

(7) مہاماری، ص 166-165

(8) مہاماری، فلپ

(9) مہاماری، فلپ

(10) بہار میں ناول نگاری 1980 کے بعد 'مرتبہ انور رئیس' نئی دہلی 2011، ص 85

(11) ناول کیا ہے از ڈاکٹر محمد حسن فاروقی، سید نورالحسن ہاشمی، ص 22

(12) مہاماری، ص 7

(13) ایضاً، ص 124

(14) ایضاً، ص 24

(15) ایضاً، ص 168

(16) ایضاً، ص 18

(17)ایضاً،ص80

(18)مہاماری کی کیمسٹری اور فیل گڈ از ڈاکٹر قمبر علی 'مشمولہ چہارسو' جلد 23 شمارہ جنوری ،فروری2014،ص38

(19)ناول کیا ہے از ڈاکٹر محمد حسن فاروقی،سید نورالحسن ہاشمی،ص33

(20)مہاماری،ص112-111

(21)ایضاً،ص114-113

(22)ایضاً،ص80

(23)ایضاً،ص14

(24)ایضاً،ص139

(25)ایضاً،ص133-132

(26)ایضاً،ص26

(27)ایضاً،ص98

(28)ایضاً،ص65

(29)ایضاً،ص118

(30)ناول کی تاریخ اور تنقید از علی عباس حسینی،علی گڑھ 2011،ص68

(31)مہاماری،ص95

(32)ایضاً،ص40

(33)ایضاً،ص41

(34)ایضاً،ص57

(35)ایضاً،ص128

(36)ایضاً،ص128

(37)ایضاً،ص122

(38)ایضاً،ص8-9

(39)ایضاً،ص151-152

(40)ایضاً،ص149-150

(41)ایضاً،ص64-65

(42)ایضاً،ص38

(43)ایضاً،ص68

(44)ایضاً،ص53

(45)ایضاً،ص126

(46)ایضاً،ص58

(47)ایضاً،ص170-171

ماحصل

ماحصل

شموئل احمد دورِ حاضر کے مشہور و معروف تخلیق کار ہیں۔ان کی پیدائش 4/مئی 1943 کو صوبہ بہار کے ضلع بھاگل پور میں ہوئی۔شموئل احمد کے آباواجداد خوابداد علی خاں ترین قبیلہ سے آتے ہیں جو صدیوں پہلے افغانستان سے ہجرت کر کے بہار کے شہر بھاگل پور میں آ بسے۔ان کے والد جمیل احمد خاں اور والدہ رضیہ خانم ہیں۔شموئل احمد 1950 میں گیا سے میٹرک پاس کیا۔1960 میں گیا سے انٹر اور 1968 کو جمشید پور سے سول انجینئرنگ کا امتحان پاس کیا اور 1973 کو بوکارو میں بحیثیت انجینئر ملازمت کا آغاز کیا۔شموئل احمد چیف انجینئر کے عہدے سے 31/اکتوبر 2003 کو سبک دوش ہوئے۔

شموئل احمد عصری ادب کا ایک معتبر نام ہے۔ہم عصر ادیبوں میں اپنی منفرد سوچ، بے باکی اور اسلوب کی زندگی کی وجہ سے اپنا ایک الگ مقام رکھتے ہیں۔علم نجوم اور جنسی پہلوؤں کا اظہار ان کی تحریروں کا خاصہ ہے۔شموئل احمد نے ناول، افسانہ، ٹیلی اسکرپٹ، شاعری میں طبع آزمائی کی ہے۔اس کے علاوہ صفِ اول کے مترجم بھی ہیں۔

شموئل احمد کا تخلیقی سفر ''کہانی چچا کا تار'' سے شروع ہوتا ہے اور اب تک ان کے چار افسانوی مجموعے اور تین ناول منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔

ناول ''مہاماری'' ایک سیاسی ناول ہے۔اس کا شمار اردو کے اہم سیاسی ناولوں میں ہوتا ہے۔ اس ناول میں سیاست کے خلاف احتجاج سرعام کیا گیا ہے۔اس ناول میں استحصال اور جبر و تشدد کی عکاسی ملتی ہے۔شموئل احمد کے یہاں سیاسی و سماجی شعور بہ درجۂ اتم موجود ہے۔انھوں نے موجودہ

صورتِ حال کا موثر نقشہ کھینچا ہے۔شموئل احمد عام آدمیوں کے استحصال، کرپشن اور سیاسی بدعنوانیوں کا مشاہدہ بہت قریب سے کیا ہے۔انھوں نے جس نزدیکی سے سیاسی اور سماجی زندگی کا مطالعہ کیا ہے وہ کم لوگوں کو ملتا ہے۔

ناول ''مہاماری'' کی ترتیب و تنظیم صوبہ بہار کے سیاسی پس منظر میں دی گئی ہے لیکن شموئل احمد نے اس موضوع کو اس طرح پیش کیا ہے کہ پورے ملک کا سیاسی نقشہ ابھر کر سامنے آتا ہے۔اس ناول میں ایسے ایسے واقعات پیش کیے گئے ہیں جن میں کرپشن، سیاسی عہدداروں کا سمبل بنتے دکھائی دیتے ہیں۔

کرداروں کو پیش کرنے میں شموئل احمد نے ہنرمندی سے کام لیا ہے۔اس ناول میں کردار کثیر تعداد میں ہیں۔ناول کا مرکزی کردار فہیم الدین شروانی ہے۔شموئل احمد نے فہیم الدین شروانی کی سرکاری ملازمت سے لے کر سیاسی نمائندگی کے سفر کو بخوبی پیش کیا ہے۔اس ناول کے ضمنی کرداروں میں ڈھان چو، مایا ساہنی، کمد چگانی، جسیم الدین وغیرہ ہیں۔ان میں بعض کردار ایسے ہیں جو ظلم و جبر کا مظاہرہ کر کے دہشت کا احساس پیدا کرتے ہیں۔

مکالمہ نگاری کے پہلو سے یہ ناول اہمیت کا حامل ہے۔پورا ناول مکالموں کے زور پر قائم ہے۔کہیں طویل مکالمے پیش کیے گئے ہیں تو کہیں مختصر۔ناول میں ہندی اور انگریزی مکالموں سے بھی کام لیا گیا ہے۔اس ناول میں فہیم الدین شروانی اور مایا ساہنی کے بیچ ہونے والے مکالمے ناول کی جان ہیں۔

منظر نگاری کے اعتبار سے بھی یہ ایک کامیاب ناول ہے۔شموئل احمد نے کرداروں، سیاسی منظر

ناموں ، جلسے اور قدرتی مناظر کی اس طرح تصویر کشی کی ہے کہ سارا منظر قاری کے سامنے ابھر کر آ جاتا ہے۔

زبان و بیان کے اعتبار سے یہ ناول اہمیت کا حامل ہے ۔ یہ ناول چوں کہ بہار کے پس منظر میں لکھا گیا ہے لہٰذا اس ناول میں ہندی کے ساتھ ساتھ علاقائی زبان کا بھی استعمال ہوا ہے ۔ اس کے علاوہ اس ناول میں محاوروں ، تشبیہوں ، استعاروں اور اشعار سے بھی کام لیا گیا ہے اور ناشائستہ الفاظ سے بھی ۔ اس ناول میں فلیش بیک تکنیک اور شعور کی رو کی تکنیک کا استعمال کیا گیا ہے ۔

ناول ''مہاماری'' میں شموئل احمد نے ڈھان چو کے کردار کے ذریعے نظریۂ حیات کو پیش کرتے ہوئے اس بات پر روشنی ڈالی ہے کہ کس طرح معصوم اور بے گناہ مسلمانوں کو دہشت گردی کے نام پر گرفتار کیا جاتا ہے ۔ ظلم ڈھائے جاتے ہیں اور موت کے منھ میں ڈھکیل دیا جاتا ہے ۔

المختصر کہ شموئل احمد مختلف اجزائے ترکیبی کو اپنے اول میں برتے ہوئے ۔ آج کے سیاسی نظام کے خلاف احتجاج کیا ہے ۔ شموئل احمد تمام تر تخلیقات کو بالائے طاق رکھ کر حقیقت کو آئینہ دکھایا ہے جس کے فرضی کرداروں کے اصلی چہرے ہمارے اور آپ کے درمیان موجود ہیں ۔ ناول کا یہ موضوع موجودہ صورتِ حال پر ایک طمانچہ ہے نیز تاریخی دستاویز بھی ہے ۔

کتابیات

کتابیات

نمبر شمار	مصنف	کتاب کا نام	مقام اشاعت	سن اشاعت
1	احسن فاروقی	ناول کیا ہے	نسیم بک ڈپو، لکھنؤ	1983
2	احمد صغیر، ڈاکٹر	اردو افسانے کا تنقیدی جائزہ 1980 کے بعد	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی	2009
3	رابعہ مشتاق، ڈاکٹر	بہار کے چند نامور افسانہ نگار	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی	
4	شموئل احمد	اے دلِ آوارہ	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی	2015
5	شموئل احمد	بگولے	سرخاب پبلیکیشن، پٹنہ	1988
6	شموئل احمد	عنکبوت	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی	2010
7	شموئل احمد	سنگھاردان	تخلیق کار پبلیکیشن، نئی دہلی	1996
8	شموئل احمد	القمبوس کی گردن	نشاط پبلیکیشن، پٹنہ	2002
9	شموئل احمد	ندی	موڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی	1993
10	شموئل احمد	مہاماری	عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی	2003

11	غیاث الدین محمد	فرقہ واریت اور اردو ناول	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی	2005
12	قیام نیر، ڈاکٹر	بہار میں اردو افسانہ نگاری ابتدا تا حال	آزاد پریس، پٹنہ	1996
13	نگینہ جبین	اردو ناول جا سماجی اور سیاسی مطالعہ 1947 اور اس کے بعد	کیشور پرکاش الہ آباد	2012
14	نورالحسنین	نیا افسانہ نئے نام	عرشیہ پبلیکیشن، نئی دہلی	2012

رسائل و جرائد

نمبر شمار	رسالہ کا نام	مقام اشاعت	ماہ و سال
1	اردو دنیا	نئی دہلی	جون/2013
2	اردو دنیا	نئی دہلی	اگست/2013
3	اردو دنیا	نئی دہلی	اگست/2015
4	چہارسو	راولپنڈی، پاکستان	جنوری، فروری 2014
5	نیا ورق	ممبئی	سہ ماہی/2006
6	اردو دنیا	ممبئی	فروری، جولائی 2004

“MAHAMARI KA TANQEEDI JAIZA”

DISSERTATION

A dissertation submitted to the University of Hyderabad in partial fulfilment of the requirement for the award of degree of

MASTER OF PHILOSOPHY

Submitted By

NASREEN SIDDIQUA

Under the Supervision of

PROF MUZAFFAR ALI SHAH MIRI

Department of Urdu

School of Humanities

University of Hyderabad

Hyderabad-500046